علاج
محی الدین نواب

جوانی کا بس یہی ایک علاج ہے کہ صحیح وقت پر لڑکیوں کی شادی کردی جائے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر یہی مشورہ دیتے ہیں کہ مرض معمولی ہو یا غیر معمولی اس کا علاج وقت پر ہونا چاہئے۔ اگر نہ ہوا تو مرض بڑھتا پھیلتا اور آوارہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

عشرت بانو بھی تنہائی میں کبھی کبھی آوارہ بن کر سوچنے لگتی تھی۔ اپنی عمر کا حساب کرتی تھی۔ ستائیس برس تک گن کر سرد آہیں بھرتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سہاگ کا جوڑا کبھی نہیں پہن سکے گی۔ کبھی اس کا علاج نہیں ہوسکے گا اور کسی دن وہ مجبور ہو کر نادانوں کی طرح فٹ پاتھ کے کسی دوا فروش سے علاج کرا بیٹھے گی۔

صبح وہ فیکٹری جانے کے لئے گھر سے نکلی تو شاہراہ پر پہنچتے ہی وہی نوجوان فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا نظر آیا۔ دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ سر جھکا کر بس اسٹاپ کی طرف جانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ نوجوان اس کے پیچھے آرہا ہوگا پچھلے ایک ہفتہ سے یہی ہو رہا تھا۔ وہ بس اسٹاپ تک پیچھے پیچھے آیا کرتا تھا جب بس آتی اور عشرت بس کے اندر عورتوں کے خانے میں چلی جاتی تو وہ مردوں کے خانے میں سوار ہوجاتا تھا پھر لوگوں کی بھیڑ میں کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے گردن اونچی کر کے اسے دیکھتا رہتا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں بولتا تھا۔ اس کی حرکتیں بتاتی تھیں کہ وہ عشرت پر مرمٹا ہے۔

سائٹ کے علاقہ میں عشرت کو بس سے اتر کر پھر پیدل جانا پڑتا تھا۔ جس ماچس فیکٹری میں وہ کام کرتی تھی وہ فیکٹری بس اسٹاپ سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ دور تھی۔ سائٹ کے علاقے میں بھیڑ نہیں ہوتی۔ بہت کم لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ایسی جگہ وہ

نوجوان بس سے اتر کر عشرت کے شانہ بشانہ چلنے لگتا تھا۔ اتنی دلیری کے باوجود وہ جیسے گونگا تھا۔ منہ سے کچھ نہیں بولتا تھا۔

عشرت کی عجیب حالت ہوجاتی تھی۔ کم بخت چھیڑتا بھی نہیں تھا اگر چھیڑتا تو وہ بری طرح ڈانٹ دیتی۔ کچھ بولتا تو باتیں کرنے سے انکار کردیتی۔ جوان چھوکروں کی طرح شوخی دکھاتا تو اس کی خوش فہمی خاک میں ملا دیتی مگر وہ چپ چاپ فیکٹری کے دروازے تک ساتھ جاتا تھا جب عشرت فیکٹری کے احاطے میں داخل ہوکر نظروں سے اوجھل ہوجاتی تو وہ لوٹ جاتا تھا۔

پہلے دن جب اس نے ایسی حرت کی تھی تو عشرت کو بڑا غصہ آیا تھا وہ فیکٹری پہنچنے تک اس انتظار میں رہی کہ وہ چھیڑے پھر وہ اسے جواباً گالیاں دے کر بھاگنے پر مجبور کردے گی لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ عشرت نے اس روز فیکٹری کے اندر پہنچ کر اطمینان کی سانس لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اب اس نوجوان سے اس کا پیچھا چھوٹ گیا ہے۔

شام کو اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ چھٹی ہوتے ہی وہ دوسری عورتوں کے ساتھ فیکٹری کے بڑے پھاٹک سے باہر نکلی تو وہ بہت دور کھڑا ہوا نظر آیا۔ عشرت نے ناگواری سے منہ بنالیا۔ وہ کم بخت یہ سمجھتا تھا کہ چھٹی کے وقت بہت سے مزدور ایک ساتھ فیکٹری سے نکلتے ہیں۔ عشرت اس وقت تنہا نہیں ہوگی۔ اسی لئے وہ دور کھڑا رہا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ پھر وہ دور ہی دور چلتا ہوا بس اسٹاپ پر پہنچ گیا۔ لیاقت آباد چار نمبر تک وہ ایک ہی بس میں سفر کرتے رہے۔ عشرت چار نمبر کے فٹ پاتھ پر اتر کر چلنے لگی تو وہ پیچھے پیچھے آنے لگا۔ اب یقین تھا کہ وہ کچھ بولے گا۔ عشرت اسی انتظار میں دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ آخر اسے فٹ پاتھ چھوڑ کر اس گلی میں داخل ہونا پڑا جہاں اس کا مکان تھا۔ وہاں سے اس اجنبی نوجوان کا ساتھ چھوٹ گیا۔

وہ جوان تھی قدرت نے اسے بہت زیادہ حسن نہیں دیا تھا لیکن بھری بہار میں ہر

کلی ہر شگوفے کو کچھ نہ کچھ حسن مل جاتا ہے۔ عشرت بھی کم از کم اتنی حسین تھی کہ دیکھنے والوں کے دل میں تھوڑی سی جگہ کرلیتی تھی۔ ستائیس برس کی عمر تک وہ کتنی ہی للچائی ہوئی نظروں کے آگے سے گزرتی رہی تھی لیکن اس نوجوان کی بات ہی کچھ اور تھی۔ پہلے دن عشرت نے "اونہہ" کہہ کر اسے نظرانداز کردیا تھا۔ گھر سے باہر کام کرنے والی عورتیں دن رات کتنی ہی گھورتی ہوئی نظروں کو دیکھتی ہیں۔ یہ روز کا معمول ہوتا ہے۔ اسی لئے اونہہ کہہ کر ایسی حرکتوں کو ٹال دیتی ہیں مگر عشرت نے دوسرے دن بھی اس نوجوان کو اپنا منتظر پایا تو اندر ہی اندر ذرا سہم گئی۔ یہ خیال قائم کیا کہ وہ کوئی ڈھیٹ بدمعاش ہے۔ اگر وہ سائٹ کے ویران علاقے میں اسے اچانک ہی دبوچ لے یا اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسے اٹھا کر کہیں لے جائے تو کیا ہوگا؟

کراچی جیسے بڑے شہر میں ڈر تو لگتا ہے۔ پھر بھی لڑکیاں روٹی روزی کے لئے دور دور تک تنہا جانے پر مجبور ہوتی ہیں۔ عشرت سہم سہم کر فیکٹری تک گئی۔ وہ نوجوان سائے کی طرح ساتھ لگا رہا۔ ہرقدم پر یہ خیال آتا تھا کہ وہ کچھ بولے گا یا اچانک ہی کسی بدمعاشی پر اتر آئے گا لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ وہ بخیریت فیکٹری کے اندر پہنچ گئی۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد اس نے ایک جگہ رک کر سوچا۔ کیا وہ شام کو بھی تعاقب کرے گا؟ کیا وہ تمام دن فیکٹری کے سامنے میرا انتظار کرتا رہے گا؟

یہ سوچ کر وہ واپس فیکٹری کے بڑے پھاٹک کی طرف آئی۔ وہاں ذرا چھپ کر اس نے دیکھا' وہ نوجوان سڑک کے اس پار سرجھکائے واپس جارہا تھا۔ عشرت نے خوش ہوکر سوچا۔ "بلاٹل گئی۔ کم بخت مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھتا تھا۔ میں نے تھوکنا بھی گوارا نہیں کیا تو وہ مایوس ہوکر چلا گیا۔"

وہ مطمئن ہوکر فیکٹری کی دوسری عورتوں کے درمیان آکر بیٹھ گئی اور تیلیاں چھانٹ چھانٹ کر ماچس کی ڈبیوں میں رکھنے لگی۔ کام کرنے کے دوران عورتیں تمام دن باتیں کرتی رہتی تھیں۔ عشرت بھی باتوں میں شریک ہوجاتی تھی لیکن اس روز وہ کھوئی کھوئی

سی رہی رہ رہ کر وہ نوجوان آپ ہی آپ یاد آجاتا تھا اور وہ خوش ہو کر سوچتی تھی کہ اس نے ایک ڈھیٹ بدمعاش کو مایوس کر کے بھگا دیا ہے۔

شام کو اس کی خوش فہمی ختم ہوگئی۔ وہ سڑک کے اس پار موجود تھا اور اس نے لیاقت آباد چار نمبر کے فٹ پاتھ تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ اس رات عشرت نے کئی بار سونے کی کوشش کی مگر اس اجنبی کا خیال آتے ہی نیند اڑ جاتی تھی۔ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟

عجیب بے تکا سا سوال تھا۔ بھلا ایک مرد کسی عورت سے کیا چاہے گا؟ عشرت ایسی چاہت سے ڈرتی تھی۔ اس نے سوچا اگر میں اسے پسند آگئی ہوں تو وہ اپنے بزرگوں کو بھیج کر رشتے کی بات کرے شرافت سے بیاہ کر لے جائے لیکن وہ تو فلمی عشق کر رہا ہے۔ لفنگوں کی طرح صرف پیچھا کرتا رہتا ہے۔ مجھے ایسے آدمی سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

وہ ہوشیار تھی۔ اجنبی لوگوں سے دامن بچا کر رکھتی تھی۔ بھٹکنا چاہتی تو اتنے برس تک کنواری نہ بیٹھی رہتی۔ ہمارے ہاں کے اکثر گھرانوں میں ابھی تک مشرقیت پائی جاتی ہے۔ ابھی ایسی لڑکیاں ہیں جو بڑی عمر تک جذبات کے جہنم میں جلتی رہتی ہیں لیکن حیا کی جنت سے باہر قدم نہیں نکالتیں۔ عشرت بھی ایسی ہی لڑکی تھی۔ رات کی تنہائی میں سینکڑوں ہزاروں بار شیطانی خیالات اسے بہکاتے اور ورغلاتے تھے۔ بستر انگاروں کی سیج بن جاتا تھا۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر صبح کر دیتی تھی اور ہر صبح خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ جوانی کی ایک شیطانی رات عزت سے گزر گئی۔

ان ستائیس برسوں میں اس کے لئے کتنے ہی رشتے آئے لیکن اس کے ماموں ممانی نے سب کو ہی کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا۔ ماموں سدا بیمار رہتے تھے اور ممانی یہ نہیں چاہتی تھیں کہ ہر ماہ پانچ سو روپے کمانے والی عشرت بیاہ کر ان کے گھر سے چلی جائے۔ حالانکہ ان کی اپنی آمدنی ماہانہ چھ سو روپے تھی۔ دو مکانوں کا کرایہ آتا تھا لیکن ممانی کسی کو چھ سو روپے کی ہوا لگنے نہیں دیتی تھیں۔ مہنگائی' دکھ' بیماری اور ماموں کی دوا دارو کا

حساب جوڑ کر.......... عشرت کی کمائی سے گھر کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔ ماموں نے ایک بار چپکے سے سمجھایا۔ بیگم بہت ہوچکا۔ اب اس کی شادی کر دینا چاہئے میں اسے دیکھتا ہوں تو لگتا ہے جیسے میرے سینے پر بہت بھاری چٹان رکھی ہوئی ہے۔

بیگم نے کہا۔ "اے ہے۔ پہلے تو آپ ایسا نہ سوچتے تھے۔"

"پہلے میں خود کو سمجھاتا تھا کہ ابھی وہ کم عمر ہے۔ ہم اور ایک برس اس کی کمائی پر جی لیں گے ایک برس کہتے کہتے اتنے برس گزر گئے۔ اب یہ لڑکی آتش فشاں بن گئی ہے۔ اگر کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو.........."

"کوئی اونچ نیچ نہیں ہوگی۔ میں عورت ہوں۔ آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔ شروع جوانی میں لڑکیوں کے بھٹکنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان دنوں میں نے عشرت کی سخت نگرانی کی تھی۔ میں خود اسے فیکٹری پہنچانے جایا کرتی تھی اور شام کو اپنے ساتھ گھر لایا کرتی تھی۔ شروع شروع میں جوانی بہت مچلتی ہے۔ میں نے عشرت کو مچلنے نہیں دیا۔ اسے طرح طرح سے ٹھنڈا رکھا۔ آگ پر قطرہ قطرہ پانی بھی ٹپکاتے رہو تو وہ رفتہ رفتہ ٹھنڈی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب عشرت عمر کی ایسی منزل پر پہنچ گئی ہے جہاں جوانی کے زور کو کچلنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ صبر آجاتا ہے اسی لئے تو عشرت آج کل نمازیں پڑھنے لگی ہے۔"

"یہ دل کو بہلانے والی باتیں ہیں بیگم! تمہارے باتیں بنانے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی اور حقیقت یہ ہے کہ جوانی اور دریا کی روانی روکے نہیں رکتی۔ راستہ روکو تو وہ دوسری طرف سے بہنے کے راستے نکال لیتی ہیں۔ عشرت کے قدم غلط راستے پر پڑ گئے تو ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ خدانخواستہ عشرت نے کوئی غلطی کی تو ہم اس کی غلطی کو چھپالیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی کہ جان بوجھ کر اپنے دامن میں دھبہ لگا لیا جائے پھر اس دھبے کو سے چھپایا جائے۔"

"اجی ایسا کون نہیں کرتا۔ یہ زمانہ ایسا ہے۔ لڑکیاں باہر جاکر نوکری کرتی ہیں کوئی اونچ نیچ ہوجائے تو نوکری نہیں چھوڑتیں' روزی کو بھلا کون لات مارتا ہے۔ ان لڑکیوں کے بزرگ ان کے عیب چھپا لیتے ہیں ایسی مصلحت اندیشی سے کام نہ لیں تو کتنے ہی گھروں میں چولہے نہ جلیں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ آپ اس معاملے میں کچھ نہ بولیں۔"

ممانی اپنے شوہر کو ہمیشہ چپ کرادیتی تھیں مگر اب عشرت نے سوچ رکھا تھا کہ کہیں سے رشتہ آئے گا تو وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرے گی۔ ایسا سوچتے وقت اس کے ذہن کے کسی چور گوشے میں وہی اجنبی نوجوان ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ اس کے عاشقانہ تعاقب پر جھنجلاتی تھی۔ غصہ سے سوچتی تھی کہ اسے ایسے نوجوان سے نفرت ہے۔ تاہم وہ اس کے خیالوں میں بغیر اجازت آتا جاتا رہتا تھا۔

ایک صبح موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ عشرت کے پاس چھتری نہیں تھی ڈیوٹی پر جانا بھی ضروری تھا۔ نوکری کرنے والوں کو آندھی طوفان میں بھی حاضر ہونا پڑتا ہے۔ وہ فیکٹری جانے کے لئے پلاسٹک کی ایک بڑی سی چادر اوڑھ کر گھر سے نکل گئی۔ باہر سڑکوں پر گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔ پیدل چلنے والے برائے نام تھے۔ ایسی غضب کی بارش تھی کہ آدمی بہت ہی مجبوری کی حالت میں باہر نکل سکتا تھا۔ کوئی بھی بے مقصد بھیگنا اور بھیگ کر بیمار پڑنا گوارا نہ کرتا لیکن وہ دیوانہ فٹ پاتھ پر کھڑا بھیگ رہا تھا۔

عشرت اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔ چند لمحوں تک حیرانی سے آگے بڑھنا بھول گئی۔ پھر جیسے فوراً ہی ہوش آگیا۔ وہ اس سے کترا کر بس اسٹاپ کی طرف جانے لگی۔ پہلی بار اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "یہ دیوانہ تیرے لئے بھیگ رہا ہے۔ عورت اور کیا چاہتی ہے؟ یہی کہ مرد اس کے لئے کانٹوں پر چلے اور اسے پھولوں کی سیج پر دلہن بنائے۔ یہ اجنبی تیرے لئے طوفان خیز موسم سے لڑ رہا ہے۔ اس کی صبح اور شام تیرے انتظار کے لئے ہیں۔ یہ اپنے گھر سے تیرے لئے قدم نکالتا ہے اور

تیرے لئے شام تک چلتا رہتا ہے۔ تجھے اور کیا چاہئے؟ جو ایک عورت کو ملنا چاہئے اس سے زیادہ تجھے مل رہا ہے۔"

وہ جلدی سے بس میں سوار ہوگئی۔ وہاں کھڑی ہوئی عورتوں نے ناگواری سے کہا۔
"اے کیا ہمارے کپڑے خراب کروگی۔ یہ پلاسٹک کی برساتی اتارو۔"

عشرت بدحواسی میں جلدی سے پلاسٹک کی چادر اتار کر جوں توں اسے تہہ کرنے لگی۔ اسی وقت مردانے حصے سے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے ادھر دیکھا تو وہ دیوانہ سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا نظر آیا۔ ایک شخص اس سے کہہ رہا تھا۔ "اے میاں! کیا اپنے ساتھ ہمیں بھی بھگودوگے۔ ذرا دور ہٹو۔"

وہ دور ہٹ کر جدھر کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ ادھر کا مسافر اس کے بھیگے کپڑوں سے کتراتا تھا۔ اسے کہیں جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ بھٹکتا ہوا اس آہنی جالی کے پاس آگیا جس کے دوسری طرف عورتیں تھیں اور ان عورتوں کی بھیڑ میں عشرت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ روزانہ بس میں سوار ہونے کے بعد منہ پھیر کر کھڑی ہوتی تھی لیکن اس روز بے اختیار اس کی نظریں اجنبی کے بھیگے لباس پر جمی رہیں۔ بس تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی سرد ہوا کے جھونکے تیر کی طرح بدن میں چبھ رہے تھے۔ عشرت نے سردی سے کانپتے ہوئے سوچا کہ پتہ نہیں وہ بھیگنے والا کیسے سردی برداشت کررہا ہوگا۔

تب ہی ایک بڑے میاں نے کہا۔ "صاحبزادے! جوانی کا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ یہ بدلتے ہوئے موسم پہلوانوں کو بھی ہسپتال پہنچادیتے ہیں گھر سے چھتری یا برساتی لے کر نکلا کرو۔"

عشرت نے پہلی بار اجنبی نوجوان کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "چچا میاں! آج میں بہت صبح گھر سے نکل پڑا تھا۔ اس وقت بارش نہیں ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ یہ برسنے والے نہیں گرجنے والے بادل ہیں۔ مگر آج تو یہ برس ہی گئے۔"

عشرت دوسری عورتوں کی آڑ لے کر اسے دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آواز سردی سے کانپ رہی ہے۔ بڑے میاں سمجھا رہے تھے کہ اسے گھر پہنچتے ہی کپڑے بدل کر آگ کے پاس بیٹھنا چاہئے اور گرما گرم چائے میں جوشاندہ حل کر کے پینا چاہئے۔ ورنہ وہ بیمار پڑ جائے گا۔

بڑے میاں کی باتیں عشرت کے کانوں میں بارش کی بوندوں کی طرح بج رہی تھیں۔

گاڑی کی تیز رفتاری سے راستہ طے ہو رہا تھا۔ سائٹ کا علاقہ قریب آتا جا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ سائٹ کے بس اسٹاپ پر اترے گی تو وہ بھی اترے گا۔ بارش ہوتی رہے گی اور وہ بھیگتے ہوئے اس کے ساتھ فیکٹری کے دروازے تک جائے گا۔ یہ کیسی حماقت ہے؟ حماقت ہے یا دیوانگی ہے؟ اس دیوانگی یا حماقت سے اسے کیسے روکا جائے؟

اس نے جھنجلا کر سوچا کہ وہ بس سے اترے گی تو اسے بری طرح جھڑک کر بولے گی۔ "جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ اپنے گھر جاؤ اور جوشاندہ پیو۔"

لیکن اسے خیال آیا کہ اپنی طرف سے کچھ بولنے کی ابتدا کر کے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہئے۔ پھر یہ کہ بولنے اور سمجھانے کے دوران وہ بارش میں کھڑا رہے گا اسے اب بھیگنا نہیں چاہئے۔ عجیب بے بسی تھی۔ وہ نہ بولنا چاہتی تھی اور نہ ہی اسے بھیگتا دیکھنا چاہتی تھی۔

سائٹ کا بس اسٹاپ آگیا۔ وہاں اسے اتر کر فیکٹری کی جانب پیدل جانا تھا لیکن وہ چپ کھڑی رہی۔ کنڈیکٹر نے مسافروں کو اترنے کے لئے آواز لگائی۔ کچھ لوگ تیز بارش کے باوجود بس سے اتر گئے کیونکہ وہ مجبور تھے۔ عشرت بھی اپنی ملازمت کی وجہ سے مجبور تھی۔ وہ پلاسٹک کی چادر لپیٹ کر بارش سے پوری طرح محفوظ رہ کر فیکٹری تک پہنچ سکتی تھی۔ مگر وہ سر جھکائے خاموشی سے کھڑی رہی۔

بس آگے بڑھ گئی۔ کنڈیکٹر نے پاس آکر کہا۔ "تم نے تو یہاں تک کا کرایہ دیا تھا۔"

عشرت نے پرس سے اٹھنی نکال کر دے دی۔ "میں آخری اسٹاپ تک جاؤں گی۔"

کنڈیکٹر نے ٹکٹ دیتے ہوئے کہا۔ "اب تو بھیڑ کم ہوگئی۔ اتنی جگہ خالی پڑی ہے بیٹھ جاؤ۔"

اس نے چونک کر آس پاس دیکھا۔ واقعی سیٹیں خالی ہو گئی تھیں۔ وہ اس طرح گم رہی تھی کہ اسے اپنے آس پاس کا ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اگر وہ دائیں طرف سر گھما کر دیکھتی تو مردانے میں وہ نظر آتا لیکن وہ بائیں طرف ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔ بارش کی زبردست بوچھاڑ ونڈ اسکرین سے ٹکرا رہی تھی۔ باہر راستے کا منظر دھندلا گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "مجھے ہی بات کرنے میں پہل کرنی چاہئے۔ میں اسے سمجھاؤں گی کہ یہ دیوانگی اچھی نہیں ہے۔ وہ میرا پیچھا نہ کرے میں اس کے قابل نہیں ہوں لیکن میں بات کیسے شروع کروں گی؟ میں نے کبھی کسی غیر مرد سے بات نہیں کی۔"

وہ کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد بس آخری اسٹاپ پر پہنچ گئی۔ مسافر اترنے لگے۔ عشرت نے جھجکتے ہوئے ذرا سر گھما کر دیکھا۔ وہ آہنی جالی کے پاس والی سیٹ پر بیٹھا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ بس کے ڈرائیور نے پوچھا۔ "بہن جی آخری اسٹاپ آگیا ہے تمہیں کہاں جانا ہے؟"

وہ اپنے دوپٹے کو سر پر درست کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے سائٹ کے ایک اسٹاپ پر اترنا تھا مگر بارش کی وجہ سے بیٹھی رہ گئی۔ اب واپسی تک شاید بارش رک جائے۔"

وہ بولا۔ "ہماری گاڑی دو گاڑیوں کے بعد جائے گی۔ چاہو تو اس جانے والی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

کنڈیکٹر نے کہا۔ "استاد! تیرا مغز خراب ہوگیا ہے۔ یہ بیچاری دوسری بس میں بیٹھنے جائے گی تو بھیگ جائے گی۔ اسے بیٹھے رہنے دے۔ اُدھر وہ باؤ بھی بیٹھا ہوا ہے۔ آؤ ہم جب تک چائے پی کر آجائیں۔"

وہ دونوں بس سے اتر کر بارش میں دوڑتے ہوئے ایک چائے خانے میں چلے گئے۔

بس کے اندر وہ دونوں رہ گئے۔ آہنی جالی کے ادھر عشرت اور ادھر وہ دیوانہ اور اس کے بیچ خاموشی رہ گئی۔ خاموشی اور جھجک' شرم اور خوف' ہمارے سماج میں مرد اور عورت کے درمیان خوف کی آہنی جالی حائل رہتی ہے۔ درندوں کی طرح انہیں الگ الگ کٹہروں میں رکھا جاتا ہے۔ ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں مل بیٹھیں گے تو مہذب نہیں رہ سکیں گے' جانور بن جائیں گے۔ تعجب ہے انسان ایسا ہی کمزور ہے تو وہ جانوروں سے برتر کیسے ہے؟ کیا محض اس لئے کہ وہ پابندیوں کے ذریعے ہوس پر قابو پاتا ہے؟

عشرت نے سوچا۔ "میں اب تک اپنی آوارہ خواہشوں پر قابو پاتی آرہی ہوں مگر کب تک؟ آخر کب تک؟"

جالی کے اس پار بیٹھے ہوئے نوجوان نے سوچا۔ "انسان ہمیشہ پابندیوں میں نہیں رہتا۔ لوہے کی زنجیریں پہناؤ تو ایک دن انہیں بھی توڑ دیتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جو چیز اس سے دور رکھو گے' اس سے چھپاؤ گے' وہ اسی کے لئے دیوانہ ہو جائے گا۔"

عشرت نے سوچا۔ "جوانی کا علاج زنجیریں نہیں ہیں۔ وہ صحیح وقت پر صحیح دوا چاہتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خود ہی دوا ڈھونڈ لوں۔ ایں۔ مگر میں یہ کیسی باتیں سوچ رہی ہوں۔ توبہ توبہ.........."

وہ خیالات سے چونک گئی۔ یوں لگا جیسے وہ خیالات جالی کے اس پار پہنچ گئے ہوں۔ اس نے چور کی طرح اُدھر دیکھا۔ پھر نوجوان سے نظریں ملتے ہی نظریں جھک گئیں۔ اسی وقت ہلکا سا جھٹکا لگا۔ پتہ چلا کہ بس اسٹارٹ ہوئی ہے۔ پہلے کی دو گاڑیاں جا چکی تھیں۔ اب وہ گاڑی جا رہی تھی۔ عشرت کو پتہ ہی نہ چلا کہ اتنا سارا وقت سوچتے سوچتے کیسے گزر گیا۔

بیس منٹ بعد سائٹ کے بس اسٹاپ پر اتری تو بارش تھم گئی تھی۔ وہ پلاسٹک کی چادر سنبھالتے ہوئے سڑک پار کر کے فیکٹری کی طرف جانے لگی۔ وہ اپنے پیچھے دوسرے قدموں کی آہٹیں سن رہی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ آج وہ ضرور مخاطب کرے گا اور جیسے

ہی وہ آواز دے گا وہ پلٹ کر سختی سے جواب دے گی۔ اسے شرم دلائے گی کہ اکیلی لڑکی کا پیچھا کرنا شرافت نہیں ہے۔

فیکٹری کے ذرا قریب پہنچ کر اسے اپنے پیچھے کھانسی کی آواز سنائی دی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ بارش میں بری طرح بھیگنے کے بعد وہ کھانس رہا تھا۔ بھیگنے کا انجام تو یہی ہوتا ہے۔ اس کی کھانسی کی کھوں کھوں کے ساتھ عشرت کا دل دھک دھک دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی تقریباً دوڑتی ہوئی فیکٹری کے پھاٹک سے داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ ایسا نہ کرتی تو جیسے وہ کھانسی اسے بھی لگ جاتی۔ محبت کی بیماری ایسی ہی ہوتی ہے' ہمدردی کے بہانے لگ جاتی ہے۔

اس روز فیکٹری میں اس کا دل نہیں لگا۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات کھانستے رہے اور بے چین کرتے رہے۔ وہ ایک انجانی بے چینی سے شام ہونے کا انتظار کرتی رہی کبھی خود کو کوستی رہی کہ وہ خود ہی خاموشی کیوں نہیں توڑ دیتی۔ اس سے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتی کہ وہ اس کا پیچھا نہ کرے۔ اب وہ ضرور کہے گی۔ اسے ایک دم سے جھڑک دے گی۔

شام کو چھٹی کے وقت وہ بڑے عزم سے پھاٹک کی طرف چلی۔ اس کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ سب کے سامنے ہی اسے ایسی کھری سنائے گی کہ وہ چور کی طرح بھاگ کھڑا ہو گا۔ پھاٹک سے نکل کر اس نے دُور دُور تک دیکھا۔ وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ بس اسٹاپ پر آئی۔ وہاں بھی وہ دکھائی نہیں دیا۔ تب دل میں بے اختیار گھبراہٹ سی پیدا ہوئی۔ کہیں اسے کچھ ہو تو نہیں گیا؟

اس نے بس میں بیٹھ کر مردانے حصے کی طرف دیکھا۔ وہاں بہت سے مسافر تھے مگر وہ بس خالی اور اجاڑ سی لگی۔ بس آگے بڑھی تو دل نے کہا۔ شاید وہ بیماری کے باعث اتنی دور نہ آسکا۔ وہاں گھر کے قریب چار نمبر اسٹاپ پر ضرور کھڑا ہو گا۔ وہ ضدی ہے۔ دُھن کا پکا ہے۔ حاضری ضرور دے گا۔

چار نمبر کے اسٹاپ پر پہنچ کر مایوسی ہوئی۔ اس نے دل میں کہا۔ "اونہہ بھلا میں کیوں مایوس ہونے لگی۔ دنیا میں سب ہی بیمار پڑتے ہیں۔ اگر وہ نہیں آسکا تو میری بلا سے........... مجھے کوئی انتظار نہیں ہے اس کا.........."

وہ گھر میں پہنچ کر تھکے ہوئے انداز میں چارپائی پر گر پڑی' طبیعت بوجھل سی لگ رہی تھی۔ رات کو ممانی نے کھانے کے لئے کہا تو پتہ چلا کہ بھوک اڑگئی ہے۔ سونے کے وقت انکشاف ہوا کہ نیند مرگئی ہے۔ آدھی رات کے بعد اچانک کھانسی کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر دوڑتے ہوئے دروازے کے پاس گئی۔ پھر جیسے ہوش میں آگئی۔ کیونکہ ماموں دوسرے کمرے میں کھانس رہے تھے۔

وہ نڈھال سی ہوکر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بستر کے پاس واپس آئی پھر بیٹھ گئی۔ آج شام کو اس نے پیچھا نہیں کیا تھا مگر اس سے زیادہ سوچیں پیچھا کر رہی تھیں۔ اسے کھانے نہیں دے رہی تھیں۔ اسے سونے نہیں دے رہی تھیں۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا۔ "میں صبح جلدی اٹھ کر اسٹاپ پر جاؤں گی۔ اللہ کرے بارش نہ ہو اور کوئی بیمار نہ ہو۔ کل وہ نظر آئے گا تو میں ہمت سے کام لوں گی۔ اس سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ میری عمر زیادہ ہوچکی ہے۔ میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ وہ کسی دوسری لڑکی سے دل لگائے۔ میں بدنصیب ہوں۔ میرے دل لگانے کا وقت گزر چکا ہے۔"

ایسا سوچتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ کروٹ بدل کر پھر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ بڑی کوششوں کے بعد رات کے پچھلے پہر آنکھ لگ گئی۔ چونکہ وہ دیر سے سوئی تھی۔ اس لئے صبح دیر سے آنکھ کھلی۔ اس نے گھڑی دیکھی پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہوگا۔ وہ جلدی سے باتھ روم میں گئی۔ جی چاہتا تھا کہ یونہی گھر سے نکل کر چلی جائے۔ مگر اس نے عجلت کے باوجود منہ ہاتھ دھو کر کنگھی کی۔ لباس تبدیل کیا۔ آنکھوں میں کاجل اور چہرے پر کریم لگائی۔ آخر

کوئی کچھ دیکھ کر ہی پیچھا کرتا ہے نا۔ ممانی نے باورچی خانے سے آواز دی کہ ناشتہ تیار ہے لیکن اس نے صبح کی چائے بھی نہیں پی۔ پرس اٹھا کر گھر سے نکل گئی۔

وہ فٹ پاتھ پر ٹھیک اسی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ عشرت کو اس کی موجودگی کی توقع تھی مگر وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسی بری حالت میں آئے گا۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ کانوں سے لے کر گلے تک مفلر لپیٹے ہوئے تھا اور گرم شال کو اوڑھنے کے باوجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ بیمار ہے اور اس وقت بخار میں مبتلا ہے۔

عشرت کو احساس ہوا کہ وہ بھی اندر ہی اندر کانپ رہی ہے۔ وہ اپنے بیمار پر ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ بس اسٹاپ کی طرف جانے لگی۔ وہاں بس موجود تھی مگر وہ سوار نہیں ہوئی۔ اسٹاپ پر کھڑی کشمکش میں مبتلا رہی۔ ایک بس جانے کے بعد دوسری بس آئی۔ پھر تیسری آئی۔ لوگ بس میں چڑھتے اترتے رہے۔ وہ اپنے اندر ٹوٹتی اور بکھرتی رہی۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور اب دھیمی آواز میں کراہ رہا تھا۔ شاید تکلیف بڑھ گئی تھی۔ شاید بخار تیز ہوگیا تھا۔ وہ کھانس بھی رہا تھا۔

وہ اچانک ہی بس اسٹاپ کو چھوڑ کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ سایہ ساتھ ساتھ چلے گا اور اسے رہ رہ کر کھانسنے اور کراہنے کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ بیمار اپنی دوا کے پیچھے چلا آرہا ہے۔ فٹ پاتھ پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ تھی۔ سڑک پر دوڑتی ہوئی گاڑیوں کا شور اور گہما گہمی کے باوجود عشرت کے کانوں میں کبھی کبھی کھانسی کی آواز پہنچتی تھی۔ جب وہ کراہتا تو یوں لگتا جیسے التجا کر رہا ہو۔ اس کی کراہیں دل کو چھو کر جیسے کہتیں۔ "اے لڑکی مجھے اپنے سینے کے اندر چھپالو۔"

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر ایک چوڑی سی گلی میں داخل ہوئی۔ گلی کے اطراف مختلف دکانیں تھیں۔ وہ ایک جگہ رک گئی۔ سامنے بڑے سے........... سائن بورڈ پر رحمان کلینک لکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر رحمان انصاری کا نام بھی درج تھا۔ عشرت نے پلٹ کر بیمار کو دیکھا۔ پھر

آگے بڑھ کر کلینک کے دروازے پر پہنچی۔ دروازے سے اندر جانے سے پہلے اس نے پلٹ کر دیکھا مگر وہ پتھر کے مجسمے کی طرح چپ کھڑا تھا۔ اندر سے ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

"بیٹی وہاں کیوں کھڑی ہو اندر آجاؤ۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے اندر آئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈاکٹر سے کیا کہے' کیسے کہے؟

ڈاکٹر نے کہا۔ "بیٹھو' کیا تکلیف ہے؟"

"وہ ڈاکٹر صاحب۔ وہ.........."

ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا تمہیں "وہ" کہنے کی بیماری ہے؟"

"جی۔ جی نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں ابھی یہاں سے گزر رہی تھی آپ کے کلینک کے سامنے ایک بیمار آدمی نظر آیا۔ شاید اس کے پاس دوا اور فیس کے پیسے نہیں ہیں۔ میں چاہتی ہوں آپ اسے بلا کر اچھی طرح اس کا معائنہ کریں۔ انجکشن اور دوائیں دیں۔ آپ کا جو بل بنے گا وہ میں ادا کروں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے یہاں لے آؤ۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ڈاکٹر صاحب! وہ میرے لئے اجنبی ہے۔ آپ جانتے ہیں ہمارے معاشرے میں لڑکیاں غیروں کو مخاطب نہیں کرتیں۔"

"اوہ اچھا ٹھیک ہے۔ کریم الدین!" ڈاکٹر نے اپنے کمپاؤڈر کو آواز دے کر کہا۔ "باہر ایک بیمار آدمی کھڑا ہے۔ اسے سہارا دے کر یہاں لے آؤ۔"

عشرت نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ویٹنگ روم میں جا رہی ہوں۔"

"بیٹے! تم یہاں بھی بیٹھ سکتی ہو۔ مجھے مریض کو دیکھنا ہے۔ کوئی اس سے کشتی نہیں لڑنا ہے کہ تم جا رہی ہو۔ بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔ کمپاؤڈر اس نوجوان کا بازو تھام کر اسے اندر لے آیا۔ ڈاکٹر نے اسے اپنے قریب ایک کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس نوجوان نے ایک نظر عشرت پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے اس سے کوئی دور کا ہمدردی کا بھی تعلق نہ ہو۔ وہ بولا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ہاں! تمہارے حلیہ سے پتہ چل رہا ہے کہ تم تارزن ہو۔ چلو بیٹھو۔"

اس نے نوجوان کا بازو پکڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔ اس کی نبض دیکھی۔ کانوں میں اسٹیتھوسکوپ لگا کر اس کے سینے کا معائنہ کیا۔ پھر اس کے منہ میں تھرمامیٹر رکھ دیا۔ "تمہارا بدن بخار سے پھنک رہا ہے اور ایسی حالت میں تم سڑکوں پر گھوم رہے ہو۔ کیا تمہارا گھر نہیں ہے؟"

اس کے منہ میں تھرمامیٹر تھا۔ اس نے صرف سر ہلا کر "ہاں" کہا۔

"تمہارے ماں باپ ہیں؟"

اس نے پھر سر ہلا کر ہاں کہا۔ ڈاکٹر نے اس کے منہ سے تھرمامیٹر نکال کر دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔ "بخار ایک سو دو ڈگری ہے۔ تعجب ہے تمہارے ماں باپ نے ایسی حالت میں تمہیں گھر سے نکلنے کیسے دیا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "کل شام بھی ایسا ہی بخار تھا اور میں گھر سے باہر جانا چاہتا تھا۔ میرے امی ابو جانتے ہیں کہ آندھی ہو' بارش ہو یا بیماری ہو' میں صبح ایک بار اور شام کو ایک بار باہر ضرور جاتا ہوں جب میں نے جانا چاہا تو انہوں نے روک دیا۔ میں نے ضد کی' غصہ دکھایا تو انہوں نے میرے کمرے کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ باہر نکلنے کے لئے کیسے تڑپتا رہا۔ اس قدر چیختا چلاتا رہا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔"

عشرت کا دل یکبارگی انجانے جذبوں سے بھر گیا۔ پچھلی شام کی غیرحاضری کا سبب معلوم ہو گیا تھا۔ یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ وہ فلمی عاشق نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت کے سامنے حاضر ہونے کے لئے قید خانے کی دیواریں توڑ کر آسکتا ہے' توڑ نہ سکے تو تڑپ تڑپ کر بے ہوش ہو جاتا ہے اور وہ یہ سب کچھ اس کے لئے کر رہا ہے۔

ڈاکٹر نے اس کی باتیں سن کر نسخہ لکھتے ہوئے کہا۔ "تم تو دیوانے لگتے ہو۔ ایسی بیماری میں بھی گھر سے نکلنے کے لئے بے ہوش ہونے کی حد تک ضد کرتے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ ابھی کیسے نکل آئے؟"

وہ بولا۔ "کل جب مجھے ہوش آیا تو رات ہو چکی تھی۔ امی ابو اور ڈاکٹر وغیرہ میرے بستر کے اطراف کھڑے تھے۔ ڈاکٹر نے مجھے سمجھایا کہ بچوں کی طرح ضد نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ایک انجکشن لگا کر چلا گیا۔ میرے کمرے کا دروازہ کھلا رکھا گیا تاکہ وقت پر مجھے دوائیں اور دودھ وغیرہ پلایا جاسکے۔ میں نے گھڑی دیکھی رات کے آٹھ بجے تھے۔ اب گھر سے نکلنا فضول تھا وہ خوشبو مجھے نہ ملتی جس کے لئے میں گھر سے نکلتا ہوں۔ اب صبح ہی باہر جاسکتا تھا۔ میرے والدین میرے اس ٹائم ٹیبل کو سمجھ گئے ہیں۔ میں جانتا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ پھر دروازے کو باہر سے بند کردیں گے۔ اس سے پہلے ہی میں صبح چار بجے اٹھ کر گھر سے نکل آیا۔"

عشرت اسے ایک ٹک دیکھے جارہی تھی۔ پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس اجنبی سے اجنبی بن کر رہنا چاہئے۔ عجیب بات تھی کہ وہ غیر نہیں لگ رہا تھا۔ عورت اپنے مرد کو ہزار طرح آزماتی ہے۔ غیر شعوری طور پر اس کی آخری آزمائش یہ ہوتی ہے کہ وہ مرد اس کی خاطر ماں باپ کو اور خون کے رشتوں کو توڑ کر آسکتا ہے یا نہیں؟ وہ دیوانہ اپنے گھر کو اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر اس کے پیچھے آجاتا تھا اب آزمانے کے لئے اور کیا رہ گیا تھا؟ کچھ بھی نہ رہا تھا اسی لئے وہ بے اختیار اپنوں کی طرح اسے دیکھے جارہی تھی۔

ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم ایسی حالت میں صبح چار بجے گھر سے نکل گئے تھے اور اس وقت سے اب تک باہر بھٹک رہے ہو۔ کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا تم پاگل ہو؟ مجھے سمجھاؤ کہ گھر سے باہر آکر تمہیں کیا مل جاتا ہے؟"

اس نے جواب دینے سے پہلے عشرت کو دیکھا۔ عشرت نے فوراً ہی نظریں

جھکالیں۔ تب وہ بولا۔ "میرے دل و دماغ میں ایک خوشبو بسی ہوئی ہے۔ وہی خوشبو مجھے صبح وشام اپنی طرف کھینچتی ہے۔"

ڈاکٹر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے اور اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے پوچھا۔ "میاں صاحبزادے! کسی سے عشق کرتے ہو کیا؟"

عشرت کی جیسے جان نکل گئی۔ گھبراہٹ سے دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ کرسی پر پہلو بدل کر اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "جی ہاں خوشبو سے عشق کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں تم سے خوشبو کے بارے میں نہیں پوچھوں گا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جو دوائیں میں تمہیں دوں گا انہیں تم استعمال کرو گے ایک ڈاکٹر پہلے تمہارا علاج کر رہا ہے اور تم اس کی دوائیں چھوڑ کر بھاگتے پھرتے ہو۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی دوائیں استعمال کروں گا۔"

"ایک وعدہ اور کرو کہ بخار ختم ہونے تک بستر پر آرام کرو گے؟"

"یہ مشکل ہے ڈاکٹر صاحب! صبح ایک بار شام کو ایک بار گھر سے ضرور نکلوں گا۔ باقی وقت آرام کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر کمپاؤڈر کو دیا۔ بیمار کو ایک انجکشن لگایا۔ تھوڑی دیر بعد کمپاؤڈر دوائیں لے کر آگیا اور اسے سمجھانے لگا کہ کون سی دوا کس وقت کھانی چاہئے۔ عشرت نے اپنا پرس کھولتے ہوئے پوچھا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ کا بل کیا بنا؟"

نوجوان نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! میرے پاس کافی رقم ہے۔ میں بل ادا کروں گا۔"

اس کے کہنے کے دوران عشرت نے پرس سے پچاس کا نوٹ نکال کر ڈاکٹر کے آگے رکھ دیا۔ نوجوان نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر وہاں رکھتے ہوئے پچاس کا نوٹ اٹھالیا۔ پھر اس نوٹ کو خاموشی سے عشرت کی طرف بڑھادیا۔

عشرت نے جھکی جھکی نظروں سے اپنے نوٹ کو دیکھا۔ پھر ڈاکٹر کے آگے سے سو کا

نوٹ اٹھا کر اپنے بیمار کی طرف بڑھا دیا۔ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت خوب۔ میرے پاس تو کچھ نہیں رہا۔"

دونوں نے چونک کر گھبراہٹ میں اپنے اپنے ہاتھ کا نوٹ پھر ڈاکٹر کے آگے رکھ دیا۔

ڈاکٹر نے پچاس کا نوٹ عشرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! میں تم سے بل نہیں لوں گا۔ مگر ایک کام لوں گا۔ میرا کام کرو گی۔"

"جی ہاں' فرمایئے!"

"بیمار کو اس کے گھر تک پہنچادو۔"

"جی میں۔ میں کیوں پہنچاؤں؟" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ کسی کو راستے میں چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ تم علاج کے لئے یہاں تک لائی ہو تو اب گھر بھی پہنچا دو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمہارے ساتھ گھر پہنچ کر پھر باہر نہیں نکلے گا۔ تم سمجھاؤ گی تو یہ بیماری کے دوران آرام بھی کرے گا۔"

"مم۔ مگر ڈاکٹر صاحب! میں انہیں جانتی بھی نہیں' میں تو.........."

ڈاکٹر نے بات کاٹ کر کہا۔ "تم کچھ نہیں جانتی ہو۔ میں بھی کچھ نہیں جانتا ہوں۔ میں نے ابھی جو دوائیں لکھ کر دیں۔ ان کے علاوہ ایک دوا تم ہو بس اب کچھ نہ کہنا۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ شرم سے نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں وہ نظریں جھکائے تیزی سے چلتے ہوئے کلینک سے باہر آگئی۔ باہر آکر سوچا کہ فوراً ہی کسی بس میں بیٹھ کر فیکٹری چلی جائے۔ پھر خیال آیا کہ وہ بخار کی حالت میں تعاقب کرے گا۔ شام کو بھی فیکٹری کی طرف آئے گا۔ جب آرام نہیں کرے گا۔ دوائیں استعمال نہیں کرے گا تو صحت یاب نہیں ہوسکے گا۔ بوڑھے ڈاکٹر نے بڑے تجربے کی بات کہی تھی۔ "یہ تمہارے ساتھ گھر پہنچ کر پھر باہر نہیں نکلے گا۔ تم سمجھاؤ گی تو یہ آرام کرے گا اور یہ کہ جو دوائیں لکھ کر دی ہیں ان کے علاوہ ایک دوا تم ہو.........."

کھانسی کی آواز پر وہ چونک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ نظریں ملتے ہی آگے بڑھ کر بولا۔ "میں شرمندہ ہوں میری وجہ سے تم فیکٹری نہ جاسکیں۔ چلو میں پہنچا دوں۔"

عشرت نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں رہتے ہو؟"

"گلشن اقبال۔ عزیز بھٹی پارک کے قریب.........." وہ بولتے ہوئے کراہ رہا تھا۔

عشرت پلٹ کر مین روڈ کی طرف جانے لگی۔ وہ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔ "میرا نام ظفر اقبال.........."

وہ خاموشی سے چلتی رہی۔ ظفر نے کہا۔ "اگر تم میرے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھنا پسند کرو تو میں تمہیں فیکٹری تک پہنچا دوں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے چلتے ہوئے شاہراہ تک پہنچ گئی۔ ظفر نے بخار سے کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی کو روکا۔ وہ دونوں ٹیکسی کی طرف بڑھے۔ اس نے گاڑی کی کھڑکی پر جھک کر ڈرائیور سے کہا۔ "سائٹ چلو گے؟"

عشرت نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "نہیں ہم گلشن اقبال چلیں گے۔ آؤ بیٹھو۔"

"مگر میں تو تمہیں.........." ظفر نے کہنا چاہا۔ عشرت نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں جو کہتی ہوں وہ کرو۔ چلو بیٹھ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہیں غصہ آرہا ہے تو میں گھر جاؤں گا۔ مگر پہلے تم بیٹھو۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ظفر نے دوسری طرف سے گھوم کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو عزیز بھٹی پارک کی طرف چلنے کے لئے کہا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ ساتھ ہی ڈرائیور نے اونچی آواز میں ریکارڈنگ شروع کردی۔ ایسے شور میں وہ ڈرائیور پچھلی سیٹ سے ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ عشرت نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ظفر سے پوچھا۔ "تمہاری عمر کیا ہے؟"

"چوبیس برس۔" وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"میں ستائیس برس کی ہوں۔"

وہ کھانستے ہوئے بولا۔ "پھر تو میں ستر برس کا ہوں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔"

"یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ ساری دنیا میں عورتوں کے چرچے ہیں کہ وہ اپنی عمر کم بتاتی ہیں۔ تم اس لئے زیادہ بتا رہی ہو کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں۔"

"میں اپنے اسکول کا سرٹیفکیٹ دکھاؤں گی تو تمہیں ستائیس برس کا حساب مل جائے گا۔"

"چلو مان گیا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میں تم سے بڑی ہوں۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"میں دنیا چھوڑ سکتا ہوں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ جب تک چاہو آزما لو۔"

"آخر مجھ میں کیا ہے۔ مجھ سے کم عمر اور حسین لڑکیاں تمہیں مل......... جائیں گی.........."

"دل جسے چاہتا ہے وہی دنیا کی حسین ترین لڑکی ہوتی ہے اور یہ دل تمہیں چاہتا ہے۔"

وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر کراہنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ بخار سے نڈھال ہو رہا ہے۔ عشرت نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ پھر اسے چھو کر دیکھا۔ اس کا بدن جل رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ اس کی طرف جھک کر کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ پھر دوسری طرف کے شیشے بھی چڑھا دیئے۔ گاڑی کی تیز رفتاری کے باعث وہ سیٹ پر اِدھر اُدھر ڈول رہا تھا۔ عشرت نے چیخ کر ڈرائیور سے کہا۔ "ریکارڈنگ بند کرو اور گاڑی آرام سے چلاؤ۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ڈرائیور نے ریکارڈنگ بند کردی۔ رفتار بھی سست ہوگئی۔ عشرت نے ظفر کے

قریب ہو کر اس کے بازو کو تھام کر اس کی کوٹھی کا نمبر پوچھنا چاہا لیکن بازو تھامتے ہی وہ ڈھلک کر اس پر آگرا۔ وہ پہلے بدحواس ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے؟ ویسے بیمار کو تو سنبھالنا ہی تھا۔ اس نے بیٹھے ہی بیٹھے اپنے اوپر اس کے بوجھ کو برداشت کیا۔ ایک ہاتھ سے اس کی گرم شال درست کی۔ اسے شال میں اچھی طرح لپیٹنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ اس کے اندر ایسی محبت اور ممتا پیدا ہوگئی تھی کہ شرم اور اجنبیت کو بھول کر اسے ایک بچے کی طرح اپنی آغوش میں چھپا لینا چاہتی تھی۔

اس نے آہستگی سے کہا۔ "ظفر سنبھلنے کی کوشش کرو۔ تم اپنے گھر پہنچنے ہی والے ہو۔ کوٹھی کا نمبر بتاؤ۔"

اس نے کراہتے ہوئے نمبر بتایا۔ ٹھہر ٹھہر کر بڑبڑانے کے انداز میں وہ راستے بتائے جہاں سے گزر کر وہ کوٹھی تک پہنچ سکتے تھے۔ عشرت نے اسے تھپک تھپک کر کہا۔ "اچھا اب نہ بولو۔ آرام سے آنکھیں بند کرلو۔ میں تمہیں وہاں تک پہنچا دوں گی۔"

ظفر نے آنکھیں بند کرلیں۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ بخار ختم نہ ہو۔ سفر طویل ہو جائے اور اسے وہ پیار بھری آغوش ملتی رہے لیکن تھوڑی سی خوشی اور تھوڑی سی محبت سپنے کی طرح ملتی ہے۔ پھر آنکھ کھل جاتی ہے۔ عشرت نے آواز دی۔ "آنکھ کھولو۔ ذرا اٹھ کر چلنے کی کوشش کرو۔ دیکھو یہ تمہاری کوٹھی ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ کوٹھی کے پورچ میں ٹیکسی رکی ہوئی تھی۔ اسی وقت اس کی امی اور ابو برآمدے کا دروازہ کھول کر گاڑی کی طرف تیزی سے آرہے تھے۔ وہ عشرت کا سہارا لے کر ٹیکسی سے باہر نکلنے لگا۔ اس کی امی کہہ رہی تھیں۔ "ہائے میرے بچے کو کیا ہو گیا ہے۔ گھر سے بے گھر ہو جاتا ہے۔ اپنی ماں سے بھی آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ ضرور اس پر کسی نے جادو کیا ہے۔"

اس کے ابو نے کہا۔ "تمہارا بیٹا کون سا گلفام ہے کہ کوئی اس پر سحر پھونکے گا۔ ارے یہ پاگل ہو گیا ہے۔ اب یہ گھر میں نہیں رہ سکتا ہے پاگل خانے میں رہ سکتا ہے۔"

"آپ باتیں ہی بنائیں گے یا اسے سہارا دے کر کمرے میں بھی لے جائیں گے۔"

ایک ملازم نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ دوسری طرف سے عشرت اسے تھامے ہوئے تھی۔ اس کے ابو نے کہا۔ "بیٹی! تم چھوڑ دو۔ اس پاگل کو میں پکڑ کر لے جاتا ہوں۔"

وہ الگ ہٹ گئی۔ ظفر سہارا لئے کراہتے ہوئے برآمدے کے دو زینے بڑی مشکل سے چڑھ رہا تھا۔ تب عشرت نے دیکھا۔ ظفر کی امی اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی انہوں نے پوچھا.......... "کیا تم وہی ہو..........؟"

ان کا یہ سوال عشرت کی سمجھ میں آیا بھی اور نہیں بھی آیا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔ "آپ کیا پوچھ رہی ہیں؟ میں سمجھی نہیں۔"

خاتون نے پوچھا۔ "کیا تم وہی ہو جس کے لئے میرا بیٹا گھر سے بھاگ جاتا ہے؟"

وہ گھبرا گئی۔ جلدی سے پلٹ کر ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے اپنا پرس کھولنے لگی۔ خاتون نے کہا۔ "ٹھہرو۔ اسی گاڑی میں واپس جاؤ کرایہ میں دوں گی۔"

عشرت نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "میں ٹیکسی لے کر آئی ہوں۔ کرایہ بھی میں ہی دوں گی۔"

اسی وقت کوٹھی کے دروازے سے ظفر کے ابو نے چیخ کر کہا۔ "بیگم سنتی ہو، یہ تمہارے صاحبزادے کوٹھی کے اندر نہیں جارہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس لڑکی کو بھی گھر میں بلایا جائے۔"

خاتون نے پریشان ہو کر عشرت کو دیکھا۔ عشرت نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ "گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

"ٹھہرو۔" وہ جلدی سے بولیں۔ "لڑکی گاڑی سے اتر آؤ۔"

عشرت نے ناگواری سے کہا۔ "سوری بیگم صاحبہ مجھے دیر ہو رہی ہے ڈیوٹی پر جانا ہے۔"

"تمہاری ڈیوٹی سے زیادہ میرے بیٹے کی زندگی قیمتی ہے۔"

"آپ کے بیٹے سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

خاتون نے اچانک نرمی سے کہا۔ "میں نے غلطی کی جو تمہیں اسی گاڑی سے واپس جانے کے لئے کہا۔ اب آجاؤ۔"

دروازے سے آواز آئی۔ "بیگم اس لڑکے نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ اندر جانا نہیں چاہتا۔ معلوم ہوتا ہے، دروازے پر ہی مرنے کا ارادہ ہے۔"

بیگم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آپ کے منہ میں خاک۔ موت آئے اس کو جس نے میرے بیٹے کو پاگل کر دیا ہے۔"

عشرت ایک دم سے بھنا گئی۔ وہ خاتون خواہ مخواہ اسے کوس رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر ٹیکسی سے باہر آئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے برآمدے کو عبور کرتے ہوئے ظفر کے سامنے پہنچی۔ پھر غصے سے چیخ کر بولی۔ "تم نے مجھے تماشا بنا دیا ہے۔ کیا تم دودھ پیتے بچے ہو کہ میرے لئے یوں مچل رہے ہو، جیسے میں کوئی کھلونا ہوں اپنے بزرگوں کے سامنے قسم کھا کر جواب دو۔ کیا میں نے کبھی تم سے بات کی ہے؟ کیا کبھی کوئی ایسا اشارہ کیا ہے۔ یا ایسی شہہ دی ہے کہ تم گھر سے نکل کر میرے پیچھے بھاگتے رہو؟ کیوں مجھے بدنام کر رہے ہو؟ کیا میری کوئی عزت نہیں ہے؟"

ایسا کہتے ہوئے بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ روتے ہوئے بول رہی تھی۔ "تمہاری ماں مجھے کوئی بازاری لڑکی سمجھ کر نفرت سے بات کر رہی ہیں۔ مجھے طعنے دے رہی ہیں۔ کوس رہی ہیں۔ میرا تمہارا کیا واسطہ ہے؟ میں کس واسطے سے طعنے سنوں؟ کس رشتے سے تمہاری خاطر بے عزتی برداشت کروں؟ تم میں ذرا بھی انسانیت اور شرافت ہے تو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اور ہمیشہ کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگتا جارہا تھا۔ وہ بے تکان بولتی جارہی تھی پھر اچانک ہی اس کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ ظفر نے ایک جھٹکے سے خود کو ملازم کی گرفت سے چھڑا لیا تھا۔

پھر ہاتھ پھیلا کر عشرت کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ چکرا کر گر پڑا۔ اس لمحے عشرت کو کچھ یاد نہ رہا۔ وہ آپ ہی آپ فرش پر دو زانو ہو کر اس پر جھک گئی۔ ظفر کے ابو بھی جھک کر اسے ٹٹول رہے تھے اور آوازیں دے رہے تھے۔ اس کی امی روتی پیٹتی آرہی تھیں۔ پتہ چلا کہ وہ بے ہوش ہوگیا ہے۔ ملازم اور اس کے ابو اسے اٹھا کر اندر لے جانے لگے۔ ذرا سی دیر میں وہاں سناٹا چھا گیا۔ اس کی امی بھی بیٹے کے پیچھے چلی گئی تھی۔

وہ برآمدے میں تنہا دو زانو بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہی ایک تصویر تھی کہ ظفر اس کی طرف بڑھتے بڑھتے کیسے گر کر بے ہوش ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس واسطے سے کس رشتے سے اس کے لئے فرش پر دو زانو ہو کر جھک گئی تھی۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ظفر کو ہوش میں لانا چاہتی تھی۔ اسے دوائیں پلانا چاہتی تھی۔ اسے سینے سے لگا کر اور تھپک تھپک کر سلانا چاہتی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ "بی بی جی! جانا ہے یا نہیں جانا ہے۔ کرایہ تو دے دو۔"

وہ فوراً ہی فرش سے اٹھ کر گئی۔ ٹیکسی کی طرف جاتے ہوئے دل اور دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایک ارادہ تھا کہ وہاں سے چلے جانا چاہئے۔ اس کوٹھی کے مکینوں سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کوئی اخلاقاً بھی اسے خوش آمدید کہنے والا نہ تھا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جانا چاہتی تھی مگر گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے کرایہ ادا کر دیا۔ ٹیکسی والے کو رخصت کر دیا۔ پھر برآمدے کے زینے پر آکر بیٹھ گئی۔ جیسے کوئی پہرہ دار ہو کہ اب وہ دیوانہ بستر سے اٹھ کر گھر سے بھاگ نہیں سکے گا۔ اسے وہاں دیکھ کر سرکشی بھول جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد ملازم دوڑتا ہوا باہر آیا تھا۔ پھر اسی طرح دوڑتا ہوا کوٹھی کے احاطے سے باہر چلا گیا۔ عشرت کا دل گھبرانے لگا۔ پتہ نہیں بیمار کو ہوش آیا تھا یا نہیں۔ دل نے کہا۔ ہوش آتا تو وہ اپنی دوا کے لئے چیخ و پکار شروع کر دیتا۔ کوٹھی کے اندر کا سناٹا بتا رہا تھا

کہ اس کے والدین اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دس منٹ کے بعد ہی وہ ملازم ایک ڈاکٹر کے ساتھ کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوا۔ عشرت اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لئے اس کے قریب سے گزرتا ہوا کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ وہ بے چین ہو کر برآمدے میں ٹہلنے لگی۔ کبھی دروازے کے پاس جاتی تھی اور کان لگا کر اندر کی آواز سننا چاہتی تھی۔ ظفر کا کمرہ کہیں دور ہوگا۔ اس لئے کوئی آہٹ نہیں مل رہی تھی وہ ایک دم سے بے تاب ہو کر دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ ڈرائنگ روم بڑے ہی قیمتی سامان سے سجا ہوا تھا۔ وہاں کی آرائش اور چمک دمک کے سامنے وہ حقیر سی چیز لگ رہی تھی۔ اسے اپنی کمتری کا احساس ہوا کہ اتنی عالیشان کوٹھی میں وہ کیا لینے آئی ہے؟ اگر کسی نے اسے خوش آمدید نہیں کہا تھا تو ٹھیک ہی کیا تھا۔ آخر اس کی اوقات ہی کیا تھی؟

وہ واپس جانا چاہتی تھی۔ اسی لمحے باتیں کرنے کی آوازیں قریب آنے لگیں۔

"عظیم صاحب! آپ کے بیٹے کا علاج میں تو کیا دنیا کا کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکتا۔ اس کی عمر اور اس کی ضد کا علاج ایک ہی ہے کہ فوراً اس کی شادی کر دی جائے۔"

گفتگو کی آواز ڈرائنگ روم میں آگئی۔ ظفر کے والدین کے درمیان وہ ڈاکٹر بولتا ہوا آرہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں عشرت کو دیکھ کر سب ٹھٹک گئے۔ وہ اپنے سر پر اور سینے پر دوپٹے کو درست کرنے لگی۔ ایک عورت کی خفیہ حس نے اسے سمجھایا تھا کہ ڈاکٹر کی نظریں اس کے جسم کو بڑی تیزی سے ٹٹول رہی ہیں۔ پھر ڈاکٹر نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

ظفر کی والدہ نے کہا۔ "وہی ہے۔"

"وہی؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ پھر جلدی سے سمجھ کر کہا۔ "اچھا وہی ہے پھر تو بالکل ٹھیک ہے.......... کمال ہے گھر میں مسیحا رکھ کر بیٹے کی بیماری بڑھائی جا رہی ہے عجیب لوگ ہیں آپ لوگ۔"

یہ کہہ کر وہ عشرت کے پاس سے گزرتے ہوئے رک گیا اسے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خاتون نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کیا ہو؟ کہاں رہتی ہو؟"

"میرا نام عشرت بانو ہے۔ میں لیاقت آباد میں رہتی ہوں اور ایک ماچس فیکٹری میں کام کرتی ہوں۔"

"ماچس فیکٹری؟" وہ ناگواری سے بولیں۔ "توبہ ہے اس لڑکے کو ہمارے معیار اور ہماری پوزیشن کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔"

عشرت کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جواباً کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ظفر کے والد عظیم صاحب نے آگے بڑھ کر کہا۔ "بیٹی! ان کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ یہ ان عورتوں میں سے ہیں، جو رسّی کی طرح جل جاتی ہیں مگر ان کے بل نہیں جاتے۔ یہ بیٹے پر جان بھی دیتی ہیں اور اپنے معیار اور پوزیشن کی خاطر بیٹے کی جان بھی لے رہی ہیں۔"

اسی وقت دھڑ کہیں کمرے سے دروازہ پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ظفر نے چیخ کر کہا۔ "دروازہ کھولو۔ ورنہ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرا دوں گا۔"

یہ سنتے ہی عشرت ان کے درمیان سے تیر کی طرح نکلی۔ تیزی سے آواز کی سمت چلتے چلتے ایک دروازے کے سامنے پہنچ گئی۔ بند دروازے کے پیچھے سے نقاہت بھری آواز سنائی دے رہی تھی۔ "کھول دو' دروازہ کھول دو۔ آپ لوگوں نے اسے جانے کیوں دیا۔ کھول دو۔"

وہ اونچی آواز میں بولی۔ "ظفر! میں آگئی ہوں۔ یہ دیکھو میں آگئی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ وہ سامنے کھڑا ڈگمگا رہا تھا۔ اب تب میں گرنے ہی والا تھا۔ عشرت نے لپک کر اسے بانہوں میں لے لیا۔ وہ عمر میں اس سے کم تھا مگر جسامت میں پہاڑ تھا۔ عشرت اسے بانہوں میں سمیٹ نہیں سکتی تھی لیکن بانہیں پھیلا کر پہاڑ کو زمین بوس ہونے سے روک لیا تھا اور اسے سہارا دے کر بستر کی طرف لے جا رہی

تھی۔

ادھر ڈرائنگ روم میں بیگم بھی عشرت کے پیچھے جانا چاہتی تھیں۔ عظیم صاحب نے ان کا بازو تھام کر پوچھا۔ کہاں جا رہی ہو؟"

"مجھے چھوڑ دیجئے۔" وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔ "میرا بیٹا پکار رہا ہے۔"

"بیگم! وہ عمر کی اس منزل پر ہے جہاں بچہ ماں کو نہیں پکارتا ہے بیٹھ جاؤ.........."

انہوں نے بیگم کو کھینچ کر ایک صوفے پر بٹھایا۔ وہ بیٹھ گئیں۔ مگر اس دروازے کو تکتی رہیں جہاں سے گزر کر وہ بیٹے کے پاس پہنچ سکتی تھیں۔ آدھ گھنٹے کے بعد وہ صوفے سے اٹھ کر بولیں۔ "وہ لڑکی ابھی تک کمرے میں کیا کر رہی ہے؟"

عظیم صاحب نے ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہی جو تم میرے کمرے میں کرتی ہو۔"

"میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"وہ بھی ہمارے بیٹے کی شریکِ حیات بن جائے گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں۔ میں اپنی بھانجی کو بہو بنا کر لاؤں گی۔"

"اپنی بھانجی کو بہو بنا کر لانے کے لئے ایک اور بیٹے کا انتظام کر لو۔"

وہ ہاتھ جھٹک کر بولیں۔ "مذاق نہ کریں۔"

"مذاق تو تم بیٹے کی زندگی سے کر رہی ہو۔ وہ زندگی کی طرف جانا چاہتا ہے تم اسے بھانجی کی طرف لے جاتی ہو۔ ذرا عقل سے سوچو۔ آج عشرت اسے یہاں نہ لاتی تو وہ کسی فٹ پاتھ پر مردہ پڑا ہوتا۔"

"آپ میرے بیٹے کے لئے ایسی منحوس باتیں زبان سے کیوں نکالتے ہیں۔ کیا وہ آپ کا بیٹا نہیں ہے؟"

"ابھی تو ہے۔ جب تمہاری ضد اسے مار ڈالے گی تو بیٹا کہاں رہے گا؟"

"کیا آپ واقعی سنجیدگی سے اس لڑکی کو بہو بنانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں دانشمندی یہ ہے کہ ہم بیٹے کی پسند کو پسند کریں۔ تمہاری بہن کو ظفر کی دیوانگی کا علم ہو چکا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو کسی دوسرے گھر میں کھپا دیں گی۔"

وہ بیگم کو دوپہر کے دو بجے تک سمجھاتے رہے اس وقت گھر میں سکون تھا۔ بیٹے کی دیوانگی کا خدشہ نہیں رہا تھا۔ کیونکہ دوا گھر میں تھی بیگم کو ماننا پڑا کہ اس کے بیٹے کو عشرت ہی لگام دے سکتی ہے۔ وہ اپنے معیار اور پوزیشن کی آڑ لے کر اپنی بھانجی کو بہو نہیں بنا سکیں گی۔ عظیم صاحب نے صوفہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دو بج گئے ہیں۔ عشرت کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

دونوں میاں بیوی وہاں سے کچن میں گئے۔ ملازم کو حکم دیا کہ میز پر کھانا لگانے کے بعد ظفر کے کمرے سے عشرت کو بلا کر لے آئے۔ پھر وہ دونوں میز کے اطراف آ کر بیٹھ گئے۔ بیگم نے کہا۔ "ظفر ابھی ناتجربہ کار ہے۔ جذباتی نوجوان ہے اور جذباتی فیصلے ناپائیدار ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں وہ عشرت کو اچھی طرح جانتا بھی ہے یا یوں ہی دیکھ کر دیوانہ ہوگیا ہے۔"

"ظفر کو تو بھلے برے کی تمیز نہیں ہے۔ اس کو کون سمجھائے گا؟"

"ہاں۔ اس لڑکے کی ضد نے پریشان کر رکھا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ وہ ہماری بہو نہ بنے اور ظفر کی ضد بھی پوری ہوتی رہے"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے۔ جیسے وہ آج ظفر کے پاس آئی ہے۔ آئندہ بھی آتی اور ملتی رہے گی۔ میں اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس کی طبیعت کبھی ایک جگہ ٹھہرتی نہیں ہے۔ روز عشرت سے ملے گا تو وہ اسے پرانی لگنے لگے گی۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ چار چھ مہینے میں اس سے بیزار ہو جائے گا۔"

انہوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس حساب سے سوچو تو تم میرے لئے کتنی پرانی ہوگئی ہو۔ کیوں نہ مجھے بھی تم سے بیزار ہو جانا چاہئے۔"

بیگم انہیں گھور کر دیکھتی رہ گئیں۔ کچھ نہ کہہ سکیں۔ کیونکہ ملازم میز پر کھانے کی پلیٹیں رکھنے آگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ملازم عشرت کو بلا کر لے آیا.......... عظیم صاحب نے اسے دیکھ کر کہا۔ "آؤ بیٹے! میرے پاس بیٹھو۔"

وہ ان کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ بیگم نے پوچھا۔ "ظفر کا بخار کم ہوا؟"

"جی ہاں! وہ سو رہے ہیں۔"

"کیا بھوکا سو رہا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے دودھ' ڈبل روٹی کھلائی ہے۔ دوا بھی پی چکے ہیں۔"

ان تینوں نے کھانا شروع کیا۔ عشرت وہاں اجنبیت محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے ہاتھ روک کر کھا رہی تھی۔ بیگم نے پوچھا۔ "تم دونوں کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

عشرت بتانے لگی ظفر نے کس طرح اس کا پیچھا کرنا شروع کیا تھا دونوں طرف ہمیشہ خاموشی رہی۔ نہ عشرت نے اس کی حوصلہ افزائی کی نہ ظفر نے کبھی اسے چھیڑنے یا بات کرنے کی کوشش کی۔ آج پہلی بار ظفر کو بری طرح بیمار دیکھ کر اس نے بات کی اور اسے پہنچانے یہاں آگئی۔

بیگم نے پوچھا۔ "یہ سلسلہ کب تک رہے گا؟"

"میں خود نہیں چاہتی کہ یہ سلسلہ جاری رہے میں نے ظفر کو سمجھایا ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں' شاید دنیا والے نہ چاہیں۔ کیونکہ میں ان سے عمر میں تین برس بڑی ہوں۔"

بیگم اور صاحب کے ہاتھ کھانے سے رک گئے۔ دونوں نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا جیسے اس کے جسم سے عمر کے نشانات گن رہے ہوں۔ عظیم صاحب نے بے یقینی سے کہا۔ "کیا تم مذاق کر رہی ہو؟ تمہاری عمر اٹھارہ اور بیس کے درمیان ہے۔"

بیگم نے کہا۔ "آپ سے زیادہ میں لڑکیوں کی عمر کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ میں تو پہلی نظر میں سمجھ گئی تھی کہ یہ بڑی عمر والی لڑکی ہے۔ ہمارا ظفر چوبیس سال کا ہے۔ اس حساب سے یہ ستائیس برس کی ہوئی۔"

"جی ہاں میں ظفر کو اپنی عمر بتا چکی ہوں لیکن دبلا ہونے کی وجہ سے میری عمر ظاہر نہیں ہوتی اس سے ظفر کو میری بات کا یقین نہیں آتا۔"

بیگم نے کہا۔ "وہ گدھا ہے۔ وہ مجھے بھی دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ بعض عورتیں چور بدن کی ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں کم عمر نظر آتی ہیں۔ مجھے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ میں بائیس برس سے زیادہ نظر نہیں آتی۔"

"بے شک۔" عظیم صاحب نے سر ہلا کر کہا۔ "جو بھی بیگم کو دیکھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ اپنے بیٹے سے دو برس چھوٹی ہیں۔"

عشرت زیر لب مسکرائی۔ بیگم نے غصے سے کہا۔ "مجھے آپ کی یہ زندہ دلی زہر لگتی ہے۔"

عظیم صاحب نے عشرت سے کہا۔ "بیٹی! میں تمہاری سچائی سے متاثر ہوں۔ یہ ہمارے بیٹے کی ہٹ دھرمی ہے کہ نہ وہ تمہاری بات سنتا ہے۔ نہ ہماری بات مانتا ہے۔"

بیگم نے کہا۔ "آپ تو بیٹے کو ہی الزام دے رہے ہیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ یہ اپنی پارسائی جتا رہی ہے۔ ذرا اس سے پوچھو۔ اگر یہ ظفر سے کترانا چاہتی تو بغیر اجازت ہماری کوٹھی میں نہ آتی۔ یہ ظفر کے کمرے میں ایسے چلی گئی جیسے وہاں جانے کے قانونی اور سماجی حقوق رکھتی ہو۔"

عشرت چند لمحوں تک خاموش رہی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔ "آج میری زندگی میں ایسا وقت آیا ہے کہ میں قانون اور سماج کے خلاف یہ حقوق حاصل کر رہی ہوں اور میں اس میں حق بجانب ہوں۔ کل تک میں یہ سمجھتی رہی کہ ظفر کے عشق میں آوارگی ہوگی لیکن جب وہ میرے لئے بارش میں بری طرح بھیگتے رہے اور کھانستے رہے تو میں انہیں بارش

سے بچانے کے لئے بس میں بیٹھی رہ گئی۔ محبت کا جواب محبت سے دینے کے لئے میں نے قانون اور سماج کی پابندیوں کو توڑ دیا۔ وہ آج صبح چار بجے سے نو بجے تک بخار میں کھانستے اور تھرتھراتے ہوئے میرا انتظار کرتے رہے۔ ان کی اس محبت نے مجھے جواباً محبت پر مجبور کیا۔ میں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ یہاں لے آئی اور ان کے کمرے میں چلی گئی۔ اگر میں سزاوار ہوں اور مجھے ان کے کمرے سے جہنم میں جانا پڑا تو میں ساری زندگی ان کے لئے آگ میں جلتی رہوں گی۔"

بیگم نے گھور کر کہا۔ "وہ پاگل بنے گا تو کیا جواب میں تم بھی پاگل بنو گی۔ ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ اسے دیوانگی سے باز آنے کے لئے سمجھاتی رہی ہو؟"

"جی ہاں' یہ میرا فرض ہے کہ مجھ میں جو اچھائی یا برائی ہے' اسے میں اس شخص سے نہ چھپاؤں' جو مجھے دل و جان سے چاہتا ہے۔ دو انسانوں کے درمیان سچائی اور بھرپور اعتماد ہونا چاہئے میں نے ظفر سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں ان سے تین برس بڑی ہوں۔ اس کے باوجود وہ میری طرف بڑھیں گے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔"

بیگم نے طعنہ دیا۔ "ہاں' پیچھے تو نہیں ہٹ رہی ہو۔ بڑھتے بڑھتے اس گھر کے اندر آگئی ہو۔"

عشرت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "بیگم صاحبہ! میں آپ کی یہ غلط فہمی دور کروں' مجھے آپ کی بہو بننے کا ارمان نہیں ہے۔ میری ذہنی وابستگی اور میری خدمات صرف ظفر کے لئے ہیں۔ جب وہ صحت یاب ہو جائیں گے تو میں ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گی۔ اس کے بعد یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بیٹے کو میرے پیچھے آنے سے باز رکھیں۔"

یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے باہر جانے لگی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا۔ "آپ سب جانتے ہیں کہ میں ابھی چلی گئی تو ظفر شام کو پھر گھر سے جانے کی ضد کریں گے۔ لہٰذا میں یہاں شام تک رہوں گی اور جب تک وہ بیمار رہیں گے میں روزانہ ایک بار

آیا کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ میرا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر دروازے سے باہر چلی گئی۔ بیگم نے جھنجلا کر کہا۔ "اپنا سکہ ہی کھوٹا ہے تو ہم اس لڑکی کو کیا کہہ سکتے ہیں۔"

عظیم صاحب تائید میں سرہلا کر پھر کھانے میں مصروف ہوگئے۔

ظفر اپنے بستر پر آرام سے سو رہا تھا۔ عشرت کمرے میں آکر اس کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ بیگم کے رویے نے اس کے اندر ذرا جھنجلاہٹ پیدا کردی تھی۔ وہ ظفر کو دیکھ کر الجھن میں گرفتار ہو رہی تھی کہ کیا کرے؟ اگر وہ ظفر کی محبت کا جواب محبت سے دیتی رہے گی تو ایک وقت آئے گا کہ ظفر اسے اس گھر کی بہو بنا کر لائے گا اور ساس بہو کا جھگڑا تو ابھی سے شروع ہوچکا ہے۔

مشکل یہ تھی کہ ظفر کے سامنے عمر کی کمی بیشی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ دیوانہ کوئی دوسرا رشتہ قائم نہیں کرسکتا تھا اور یہاں کی سوسائٹی میں مرد عورت دوست بن کر نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ شیر اور بکری سمجھے جاتے ہیں دوستی کے گھاٹ پر پانی پینے کی اجازت نہیں ملتی۔ اپنی مرضی سے دوست بن کر رہنا چاہیں تو یہ سماج ساس بیگم کی طرح سلوک کرتا ہے۔

چار بجے بخار کم ہوگیا۔ عشرت نے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا تو اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ عشرت کو اپنے قریب نگاہوں کے سامنے دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ پھر اپنی پیشانی کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ وہ جلدی سے ہاتھ چھڑا کر کرسی پر سیدھی بیٹھ گئی۔ ظفر نے بڑی نقاہت سے کہا۔ "تم بہت اچھی ہو۔ اب مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔"

"میں آج فیکٹری نہ جاسکی۔ کل تو جانا ہی ہوگا۔"

"میری خاطر دو چار روز کی چھٹی لے لو۔"

عشرت نے سر جھکا لیا۔ جیسے راضی ہو۔ پھر چونک کر بولی........ "میں چھٹی کیوں

کروں؟ آخر میرا تمہارا کیا رشتہ ہے؟ میں نے انسانی ہمدردی سے اتنا کچھ کیا ہے اب شام ہو رہی ہے، مجھے گھر جانا ہوگا۔ ورنہ میرے گھر والے کیا سوچیں گے؟"

"ہاں۔ یہ تو میں بھول گیا تھا کہ تمہارے گھر والے بھی ہیں۔ تمہیں تو جانا ہی ہوگا مگر کل صبح تم فیکٹری نہ جاؤ۔ یہاں آجاؤ۔"

"میں کل شام کو فیکٹری سے یہاں آؤں گی۔ اگر تم نے آگے ضد کی تو میں تم سے اتنی دور ہوجاؤں گی کہ مجھے دیکھ بھی نہیں سکو گے۔"

وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ بیماری کے دوران یہ بھی غنیمت ہے کہ تم سے شام کو ملاقات ہوجایا کرے گی۔"

عشرت اسے ایک خوراک دوا پلانے کے لئے اٹھ گئی۔ ایک ننھے سے گلاس میں دوا انڈیلی اس کے بعد اس نے ظفر سے اٹھنے کے لئے کہا وہ اٹھ سکتا تھا مگر اس کے سہارے اٹھنا چاہتا تھا۔ اس سے ذرا لگ کر رہنا چاہتا تھا۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر لگا لگا سا سفر یاد آرہا تھا۔ اس نے کہا۔ "مجھ سے اٹھا نہیں جارہا ہے۔"

"تم اٹھ سکتے ہو۔"

"نہیں، تم آؤ۔ میں تمہارے سہارے بیٹھ کر دوا پیوں گا۔"

"میں تم سے بڑی ہوں۔ تم سے زیادہ چالاک ہوں۔ چلو اٹھ جاؤ ورنہ میں کل شام کو نہیں آؤں گی۔"

اسے مجبوراً اٹھنا پڑا۔ وہ دوا کا گلاس اس کے منہ سے لگاتے ہوئے بولی۔ "یہ بیماری ایک طرح سے ٹھیک ہی ہے۔ یہاں آرام سے لیٹے لیٹے تنہائی میں میرے متعلق سوچتے رہنا کہ ایسی لڑکی کے ساتھ گزارا نہیں ہوسکتا۔ جو عمر میں اور تجربے میں تم سے بڑی ہے مرد کم عمر اور کم عقل لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں جنہیں وہ محکوم اور مجبور بنا کر رکھ سکیں۔"

"میں تمہارا حاکم بن کر نہیں رہنا چاہتا۔"

"سب یہی کہتے ہیں۔"

"تم مجھے آزمالو۔"

"میں آزما نہیں سکتی کیونکہ تمہاری والدہ کے ساتھ میرا گزارہ نہیں ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں امی کے ساتھ یہاں میرا بھی گزارہ نہیں ہورہا ہے۔ میں تمہاری خاطر یہ گھر چھوڑ دوں گا۔"

"دیکھو' میں نے کہا نا' کہ میری عمر زیادہ ہے۔ میں نے بڑی گہری نظروں سے دنیا کو دیکھا ہے۔ لوگ شادی سے پہلے محبوبہ کی حمایت اور ماں کی مخالفت کرتے ہیں۔ شادی کے بعد ماں کی حمایت اور بیوی کی مخالفت شروع ہوجاتی ہے۔"

"سب ایسے نہیں ہوتے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ........."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "تم وعدہ کرو کہ مجھ سے شادی کے متعلق نہیں سوچو گے۔ بس اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ ہماری جان پہچان اور آگے نہ بڑھے۔ ہم بچے نہیں ہیں۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ مجھے اس ماحول میں زندگی نہیں گزارنی چاہئے۔ تمہیں بھی اس محل کو چھوڑ کر جھونپڑی کی طرف نہیں جانا چاہئے۔ اب میں جا رہی ہوں کل آؤں گی۔ مجھے امید ہے کہ تم میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرو گے۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ اپنے گھر تک پہنچنے کے دوران وہ پریشان ہوکر سوچتی رہی کہ جس سے شادی نہیں کرے گی' اس سے دوستی کیسے کرے گی؟ کیا راستہ چلتے ملے گی یا چوری چھپے ملاقات کرے گی؟ کچھ بھی ہو ظفر تو اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ جب وہ گھر پہنچی تو ممانی نے گھور کر اسے دیکھا۔ ماموں نے کھانستے ہوئے پوچھا۔ "کہاں سے آرہی ہو؟"

وہ اپنے کمرے کے دروازے پر رک کر بولی۔ "آپ کا کیا خیال ہے' مجھے کہاں سے آنا چاہئے۔"

ممانی نے تڑخ کر کہا۔ "جہاں سے آنا چاہئے' وہاں سے نہیں آرہی ہو۔ میں ماچس فیکٹری سے ہوکر آئی ہوں۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ دل میں ذرا سی گھبراہٹ تھی کہ چوری پکڑی گئی۔

ممانی نے دروازے پر آکر پوچھا۔ "جواب دو' سارا دن کہاں گزار کر آئی ہو؟"

وہ اپنے پرس کو بستر پر پھینکتے ہوئے بولی۔ "ممانی جان! میں نادان بچی نہیں ہوں۔ مجھ سے سوالات کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔ میرے اپنے کچھ ذاتی معاملات ہیں جن کے متعلق میں کسی کو کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم پَر نکال رہی ہو؟"

"کیا آپ پَر کاٹ سکتی ہیں؟"

ممانی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ جسے گائے سمجھتی رہی ہیں وہ اس طرح سینگ مارے گی۔ دوسرے کمرے سے ماموں کی آواز آئی۔ "آجاؤ بیگم! کوئی جوانی کے پر نہیں کاٹ سکتا تم عشرت کے خلاف نہیں خطرات کے خلاف لڑ رہی ہو۔ ہار جاؤ گی۔ آجاؤ۔"

"اے کیسے آجاؤں۔ میں عشرت کی دشمن نہیں ہوں۔ آخر یہ میرے سامنے بچی ہی ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہوگی یا کوئی بدنامی کی بات آجائے گی تو دنیا والوں کے سامنے ہمیں ہی جواب دینا پڑے گا۔"

"ممانی جان آپ کو میری طرف سے کسی غلطی اور بدنامی کا اندیشہ نہیں ہے اگر کوئی اندیشہ ہوتا تو آپ دس برس پہلے ہی میری شادی کردیتیں۔ کیا آپ جیسی بوڑھیاں نہیں جانتیں کہ صحیح وقت پر علاج نہ ہو تو مرض بڑھ جاتا ہے۔ ایسا مرض اوپر سے نظر نہیں آتا۔ اندر سے ناسور بن جاتا ہے۔ پھر بدنام لڑکیوں کو کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہیں منہ کالا کرلیا' یا کسی کے ساتھ بھاگ گئیں یا بدنامی کو گھر لے آئیں۔ یہی دہشت آپ کے دل میں ہے۔ جائیے! ایسی نوبت نہیں آئے گی۔ میں دن رات اپنے اندر مرنا جانتی ہوں۔ اپنی نظروں سے گرنا نہیں جانتی۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے کو بند کردیا۔

دوسرے دن ظفر کا بخار ختم ہوگیا تھا۔ وہ شام کے وقت بے چینی سے کمرے میں

ٹہل رہا تھا۔ جب ملازم نے خبر دی کہ عشرت آرہی ہے تو وہ جلدی سے بستر پر جاکر لیٹ گیا۔ جلدی میں پیروں کی ایک چپل بستر کے نیچے اوندھی ہوئی دوسری چپل ذرا دور پڑی رہ گئی۔ عشرت کمرے میں داخل ہوئی تو پہلے اس کی توجہ چپلوں کی طرف ہی گئی۔ کیونکہ کمرے کی ہر چیز ترتیب سے رکھی ہوئی تھی صرف چپلیں ہی بے ترتیب تھیں۔ اس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ ”کیسی طبیعت ہے۔“

وہ جواباً بیماروں کی طرح مسکرایا۔ عشرت نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بخار بالکل نہیں ہے۔“

”ہاں مگر کمزوری بہت ہے۔ معلوم ہوتا ہے صحت یاب ہونے میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ تمہیں ایک ہفتے تک اتنی دور آنا پڑے گا۔“

وہ مایوس ہوکر بولی۔ ”اوہ میں یہ سوچ کر آئی ہوں کہ تمہاری طبیعت اچھی ہوگئی ہوگی۔ ہم ابھی کہیں گھومنے جائیں گے اور کہیں باہر کھانا..........“

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ظفر خوشی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ”سچ؟ کیا تم میرے ساتھ باہر چلوگی۔ باہر کھانا بھی کھاؤ گی؟ میں ابھی ایک منٹ میں تیار ہوجاؤں گا۔“

وہ بستر سے اترنے لگا۔ عشرت نے کہا۔ ”آرام سے لیٹ جاؤ۔ بیماری سے اٹھ کر باہر کا کھانا نہیں کھانا چاہئے۔“

”ایں.......... ابھی تو تم باہر جانے کے لئے کہہ رہی تھیں۔“

”ہاں۔ تمہاری چالاکی سمجھ رہی تھی اب سمجھ گئی۔ تم بالکل تندرست ہو۔ میں کل سے نہیں آؤں گی۔“

وہ شکست خوردہ انداز میں گہری سانس لے کر بولا۔ ”ٹھیک ہے کل سے میں تمہارے پیچھے آیا کروں گا۔“

”کیا تم مجھے بدنام کروگے؟“

”میں ایک عرصہ تک دور رہ کر تمہارا پیچھا کرتا رہا تاکہ راستہ چلنے والے میرے

تعاقب کو نہ سمجھ سکیں۔ میں نے کبھی تمہیں مخاطب نہیں کیا میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے باتیں کرنے سے تم بدنام ہوجاؤ۔ اب بھی تم دور ہونا چاہوگی تو میں بھی دور ہی سے صبح و شام گونگی محبت کے لئے آیا کروں گا۔“

عشرت کا سر محبت اور عقیدت سے جھک گیا۔ ظفر کے جذبات اور محبت کا انداز دیکھ کر ساری دنیا سے بغاوت کرنے کو جی چاہتا تھا۔ وہ بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کب تک آگے پیچھے چلتے رہیں گے؟“

”مجھے بتاؤ تمہارے ساتھ مجبوری کیا ہے؟“

”بہت سی مجبوریاں ہیں۔ ایک تو یہی کہ ابھی تمہاری نظروں میں عمر کی اہمیت نہیں ہے۔ شادی کے بعد جب کبھی تمہارا دل بھر جائے گا تو میں تمہیں بڑی بوڑھی نظر آیا کروں گی۔“

وہ بولا۔ ”کیا ہمارے بزرگوں نے بڑی عمر کی عورتوں سے شادی نہیں کی ہے؟ میں ایسی کتنی ہی مثالیں پیش کرسکتا ہوں تم گھر گھر جاکر دیکھ لو۔ کسی گھر میں مرد بوڑھا نظر آتا ہے اور بیوی ذرا جوان اور کسی گھر میں بیوی بوڑھی لگتی ہے اور مرد جوان۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کی عمر زیادہ ہوتی ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ اچھی اور بری صحت ہے۔ مرد ہو یا عورت جس کی صحت اچھی رہے گی وہ بڑھاپے میں بھی قدرے جوان نظر آئے گا۔ تم خواہ مخواہ عمر کا حساب نہ کیا کرو۔ چلو' دوسری مجبوری بتاؤ۔“

”دوسری مجبوری یہ ہے کہ میرے ماموں ممانی میری شادی کرنا نہیں چاہتے۔ کوئی ایسا لڑکا تلاش کرتے ہیں جو گھر داماد بن کر رہے اور میری طرح اپنی ماہانہ آمدنی بھی ان پر خرچ کیا کرے۔“

”یہ تمہارے ماموں ممانی کے احمقانہ منصوبے ہیں۔ تمہیں اپنے طور پر زندگی گزارنے کا حق ہے اور تم میرے ساتھ زندگی گزاروگی۔“

”جب فیصلے کی گھڑی آئے گی تو میں ایسا ہی کروں گی۔“

"وہ گھڑی آچکی ہے۔ تم آج فیصلہ کرو کل ہماری شادی ہوگی۔"

"ایک بڑی مجبوری یہ ہے کہ میں شادی کے بعد تمہاری والدہ کے ساتھ نہیں رہ سکتی' میں بزرگوں کا احترام کرتی ہوں مگر جو مغرور ہوں اور بے تکی باتوں سے برتری حاصل کرنا چاہتے ہوں میں کبھی ان کا احترام نہیں کرسکتی۔ جب میں پہلے سے جانتی ہوں کہ شادی کے بعد یہ گھر جہنم بن جائے گا اور میری زندگی تلخ ہوجائے گی تو میں شادی کیوں کروں؟"

"میں کہہ چکا ہوں کہ تمہارے لئے گھر چھوڑ سکتا ہوں۔"

"گھر چھوڑ دینے سے خون کے رشتے نہیں ٹوٹ جاتے اور نہ ہی میں ماں بیٹے کو جدا کرنا چاہتی ہوں۔ میں بسے بسائے گھر کو اجاڑوں گی تو کبھی خود اجڑ جاؤں گی۔ ماں کیسی بھی ہو اس کی بد دعا نہیں لینی چاہئے۔"

"میں امی کی بددعا نہیں لوں گا۔ کبھی ان کا دل نہیں دکھاؤں گا لیکن یاد رکھو تمہیں چھوڑ کر ان کے ساتھ بھی نہیں رہ سکوں گا۔"

"اس طرح ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچیں گے۔"

"جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچیں گے۔ میں تمہارے پیچھے بھاگتا رہوں گا۔"

وہ دونوں دیر تک بحث کرتے رہے۔ پھر وہ گھر جانے کے لئے رخصت ہوگئی۔

دوسری صبح وہ فیکٹری جانے کے لئے اپنی گلی سے باہر آئی تو وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا تھا عشرت کا دل مسرتوں اور جذبوں سے بھر گیا۔ اپنی اہمیت کا احساس ہوا کہ اتنی بڑی دنیا میں ایک شخص ایسا ہے جو آندھی میں جلنے والے چراغ کی طرح اس کی محبت میں جلتا چلا آرہا ہے۔ سائٹ کے علاقے میں ویرانی تھی۔ وہاں بس سے اتر کر فیکٹری کی طرف جاتے ہوئے عشرت نے پوچھا۔ "شام کو بھی آؤ گے؟"

"ہاں' کہو تو کار لے آؤں ہم کہیں گھومنے چلیں گے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں چار بجے فیکٹری سے نکل آؤں گی۔"

شام کو وہ چار بجے سے پہلے ہی فیکٹری کے پھاٹک سے باہر آئی پتہ چلا کہ اُدھر بھی بے صبری تھی۔ وہ ایک گھنٹہ پہلے ہی آیا تھا۔ عشرت زندگی میں پہلی بار ایک خوبصورت قیمتی کار میں اس کے ساتھ بیٹھ کر گھومنے نکلی۔ تفریح کے دوران کار میں بیٹھ کر اس نے دہی بھلے کھائے' ٹھنڈی بوتل پی' اتنا اچھا وقت گزرا کہ رات کے آٹھ بج گئے۔ اس رات بھی ممانی سے کافی تُو تُو مَیں مَیں ہوئی۔ ظفر اور اس کے والدین کے درمیان بھی بہت کچھ ہوا ہوگا مگر آئندہ ملاقاتوں میں اس نے عشرت کے سامنے کبھی اپنے گھر کی بات نہیں کی' پوچھنے پر یہ کہہ کر ٹال جاتا تھا کہ وہ کسی کی پروا نہیں کرتا۔ اس کے اور عشرت کے درمیان صرف محبت کی باتیں ہونی چاہئیں اور دنیا کی مخالفتوں کو بھول جانا چاہئے۔

دونوں کے گھر والے جلتے رہے اور وہ ملتے رہے۔ ایک دن ظفر نے عشرت کو بتایا کہ امی اپنی جس بھانجی سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں اس لڑکی کی شادی ہوچکی ہے۔ عشرت نے کہا۔ "تمہاری امی اپنی اونچی پوزیشن کے مطابق کوئی دوسری معیاری لڑکی ڈھونڈ لیں گی۔"

"امی اور ابو اس سلسلے میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا لڑکی ڈھونڈنے کے سلسلے میں؟"

"نہیں تم سے میری شادی کرنے کے متعلق کچھ باتیں ہیں۔"

"آخر وہ کیا باتیں ہیں۔ تمہیں یقیناً معلوم ہوگا۔"

وہ تھوڑی دیر خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ کار سست رفتاری سے سمندر کے کنارے چل رہی تھی۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ وہ بولا۔ "امی اور ابو کی اپنی ضد ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر میں اپنی ضد پوری کروں گا تو وہ بھی اپنی ضد پوری کریں گے۔"

"میں سمجھی نہیں کہ ان کی ضد کیا ہے۔"

"یہی کہ لڑکی کم عمر ہو۔ وہ اونچے دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ ان کے

شایانِ شان سوسائٹی موو کرسکتی ہو۔ وہ ایسی لڑکی کو بہو بنائیں گے۔ اگر میں راضی ہوجاؤں تو امی ابو بھی تمہیں بہو بنانے کے لئے راضی ہوجائیں گے۔"

عشرت نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ یعنی کہ وہ تمہاری دو شادیاں کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں دو شادیاں۔ ایک میری مرضی سے تمہارے ساتھ۔ دوسری ان کی مرضی سے ان کی پسندیدہ لڑکی کے ساتھ۔"

"یہ تمہارے بزرگوں کا فیصلہ نہیں بے ہودگی ہے۔ وہ اپنی ضد اور اپنی بزرگی کا غرور قائم رکھنے کے لئے ایسا کرنا چاہتے ہیں۔"

ظفر نے کہا۔ "اس کے برعکس وہ کہتے ہیں کہ میں ان کے سامنے نادان اور ناتجربہ کار ہوں اور جذبات میں بہک کر تم سے شادی کر رہا ہوں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہماری شادی دیرپا نہیں ہوگی۔ جو رشتہ وہ کر رہے ہیں' وہ تاحیات قائم رہے گا۔"

"گویا وہ چیلنج کر رہے ہیں کہ تم میرے ساتھ ازدواجی زندگی نہیں نباہ سکو گے۔"

"ہاں یہی بات ہے۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟ کیا دو شادیاں کرو گے؟"

اس نے سمندر کے ویران ساحل پر گاڑی روک کر کہا۔ "تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

وہ بولی۔ "کوئی عورت سوکن کو برداشت نہیں کرسکتی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ امی ابو سمجھنا نہیں چاہتے اور تم مجھے ہمیشہ سمجھاتی رہتی ہو کہ مجھے اپنا گھر اور اپنے والدین کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔"

"ہاں میں چاہتی ہوں کہ میری خاطر دنیا کو نہ چھوڑو۔ میں اتنی مہنگی نہیں بننا چاہتی۔ مجھے یوں حاصل کرو کہ میری وجہ سے کسی کو کھونے کا ملال نہ رہے۔"

"عشرت! تمہاری بات یوں بھی درست ہے کہ والدین کو چھوڑوں گا تو تمام دولت

اور جائیداد سے محروم ہوجاؤں گا۔ کل رات ہی ابو کہہ رہے تھے کہ ان کی پسند کی بہو نہ آئی تو مجھے عاق کردیں گے۔ دراصل ابو دوراہے پر ہیں۔ امی کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے اور مجھ سے بھی محبت کرتے ہیں اس لئے وہ امی کی اس بات پر راضی ہوگئے ہیں کہ میری دو شادیاں ہوں گی یعنی وہ ہم دونوں ماں بیٹے کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔"

"اور تم دونوں بیویوں کے ساتھ خوش رہنا چاہو گے؟"

ظفر اسٹیئرنگ کے پاس سے کھسک کر اس کے قریب آیا.......... "میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ دو کیا دس شادیوں کی شرطیں پوری کرکے بھی تمہیں اپنا لوں گا۔"

وہ ایک دم سے تڑپ کر دور ہوگئی۔ حالانکہ اندر جذبے تڑپ رہے تھے۔ اس کے بازوؤں میں مرجانے کو جی چاہتا تھا۔ اس کے باوجود وہ غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔ "خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں اس کی امانت ہوں' جو مجھے بیاہ کرلے جائے گا۔"

"میں تم سے بیاہ کروں گا۔"

"تو پھر اس کے بعد ہی مجھے چھو سکو گے!"

"تم بہت تڑپاتی ہو۔ تمہیں سر سے پاؤں تک حاصل کرنے کے لئے میں اپنے والدین کی شرط پوری کروں گا۔ ان کی پسند سے بھی شادی کروں گا۔"

عشرت منہ پھیر کر کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ ظفر کے بازوؤں سے نکل آنے کے باوجود اب تک خیالی بازوؤں میں ڈوب رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ ظفر نے جلدی نہ اپنایا تو مرجائے گی۔ اس نے آواز دی۔ "عشرت کیا میری باتیں نہیں سن رہی ہو؟"

"سن رہی ہوں۔ تم اپنی ماں کی ضد پوری کرو۔ مگر میری بھی شرط ہے میں تمہاری ماں اور اپنی سوکن کے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

"میں خود نہیں چاہتا۔ ہم دونوں الگ مکان میں رہیں گے کریم آباد میں ہمارا ایک فلیٹ ہے وہ میرے نام سے ہے۔ شادی کے بعد میں تمہارے نام کردوں گا۔ میں چاہتا ہوں کل صبح تم امی اور ابو سے ملاقات کرو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں؟"

"میری شادی سے تمہاری امی کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ان سے نہیں ملوں گی۔ اپنے ابو سے کہو باہر کہیں مل لیں۔ میں اس کوٹھی میں جانا نہیں چاہتی۔"

ظفر نے کار اسٹارٹ کر کے واپس موڑلی۔ عشرت کا برا حال تھا۔ اس کے اندر جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ گرمی سے گھبرا کر اس نے آئس کریم کی فرمائش کی۔ راستے میں ایک جگہ گاڑی روک کر ظفر نے اس کی فرمائش پوری کی چپ چاپ اسے حیرانی سے دیکھتا رہا۔ کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے چار کپ آئس کریم حلق سے اتار چکی تھی۔ وہاں سے گاڑی آگے بڑھی تو کچھ دور جا کر اس نے کہا۔ "مجھے پیاس لگ رہی ہے میں ٹھنڈی بوتل پیوں گی۔"

ظفر نے ایک اسنیک بار کے سامنے کار روک دی۔ ٹھنڈی بوتلوں کا آرڈر دیا۔ جب بوتلیں آئیں تو ظفر نے اپنی بوتل کو منہ لگانے کے بعد کہا۔ "خوب ٹھنڈی ہے۔"

"خاک ٹھنڈی ہے۔" وہ دو گھونٹ پی کر بولی۔ "مجھے اور زیادہ ٹھنڈی چاہئے۔"

ویٹر ایک گلاس میں برف ڈال کر لے آیا۔ تب عشرت نے مشروب پیتے وقت محسوس کیا کہ سینے میں کچھ ٹھنڈک پہنچ رہی ہے لیکن یہ وقتی سکون تھا۔ جیسے وقتی طور پر اسپرین کی ٹکیہ کھا کر بیماری کو دبا دیا جاتا ہے اور اس کا باقاعدہ علاج نہیں کیا جاتا۔ وہی حال عشرت کا تھا۔

گھر پہنچ کر اسے پھر اس گرمی سے گھبراہٹ ہونے لگی جب تک ظفر اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا وہ شیطانی خیالات سے لڑنے میں کامیاب رہتی تھی لیکن ظفر نے اس کے قریب آ کر اپنی قربت کا چسکا لگا دیا تھا اور سمجھا دیا تھا کہ وہ شیطانی خیالات سے نہیں انسانی خیالات سے لڑتی آئی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ قدرت کا نظام ہے کہ ایک بندہ دوسرے بندے کے درد کی دوا بنتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ مذہب اور قانون کے مطابق دوا ہو۔ بے قاعدہ علاج نہ ہو۔

لیکن پورا معاشرہ بیمار ہو۔ کوئی جہیز کی بیماری پھیلا رہا ہو۔ کوئی اونچی پوزیشن کے

مرض میں مبتلا ہو، کسی کو جوان بیٹی کی کمائی کھانے کا روگ لگ گیا ہو اور خصوصاً بڑے بوڑھے اپنی جوان نسل کے ابتدائی مرض کو سمجھنے سے انکار کرتے ہوں۔ ایسے معاشرے میں بے راہ روی رواج پا جاتی ہے۔ اسپرین کی ٹکیہ اور فٹ پاتھ کے دوا فروشوں سے بے قاعدہ علاج ہونے لگتا ہے۔ عشرت نے ساری رات تڑپنے اور دماغی الجھنوں میں گرفتار رہنے کے بعد بڑے عزم سے فیصلہ کیا کہ وہ سوکن کو برداشت کر لے گی لیکن بے قاعدہ علاج برداشت نہیں کرے گی۔ کچھ بھی ہو انسان کو حیوان نہیں بننا چاہئے۔

دوسری صبح وہ فیکٹری جانے کے لئے گھر سے نکلی تو اس کی آنکھیں رت جگے کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔ فٹ پاتھ کے پاس اس نے ظفر کی گاڑی دیکھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی قریب آ کر بولا۔ "ابو میرے ساتھ آئے ہیں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہیں۔ تم ان کے پاس چل کر بیٹھو۔ تمام باتیں آج ہی طے پا جائیں گی۔"

عشرت نے کار کے قریب پہنچ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے سلام کیا۔ عظیم صاحب نے دعائیں دیتے ہوئے پاس آ کر بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ بیٹھ گئی۔ ظفر نے آگے جا کر اسٹیئرنگ سنبھالی۔ پھر گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر تک کار کی محدود فضا میں گہری خاموشی رہی پھر عظیم صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "ان دنوں میرا گھر جنگ کا میدان بنا ہوا ہے۔ ماں بیٹا اپنی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ میں ان کی رسہ کشی کے درمیان بندھا ہوا کبھی اِدھر کبھی اُدھر کھنچا جاتا ہوں۔ ویسے میں اپنی بیگم کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ آدمی کو اپنی بھوک سے زیادہ نہیں کھانا چاہئے اور عمر سے آگے نہیں چلنا چاہئے۔ یہ لڑکا تمہارے ساتھ چلتے رہنے پر بضد ہے۔"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہ کر کن انکھیوں سے عشرت کے چہرے کے ردِ عمل کو بھانپنے لگے۔ عشرت رات بھر میں فیصلہ کر چکی تھی کہ تمام رکاوٹوں کے باوجود ظفر کی ہی ہو کر رہے گی۔ اس لئے اس کے چہرے پر ایسا کوئی ردعمل نہیں تھا جسے کوئی پڑھ سکتا۔

عظیم صاحب نے کہا۔ "جب بچہ پہلی بار جلتی ہوئی لالٹین کو چھونے کے لئے ہاتھ

بڑھائے تو اسے روکنا نہیں چاہئے۔ لالٹین کے شیشے کو چھو کر ہاتھ جلے گا تو بچے کو سمجھ آئے گی کہ کسی بھی روشن اور چمکتی ہوئی چیز کو سوچ سمجھ کر ہاتھ لگانا چاہئے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ظفر کو بھی ایسے ہی تجربے سے گزرنے کے لئے تم سے شادی کی اجازت دے دی جائے۔"

پھر ایک بار ذرا خاموشی رہی۔ عشرت بڑے صبر سے سنتی رہی۔ انہوں نے کہا۔ "لیکن ہم ماں باپ کی حیثیت سے تم دونوں کی شادی میں شریک نہیں ہوں گے اور نہ ہی آئندہ کبھی اس شادی کی ناکامی کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔"

وہ پہلی بار بولی۔ "جب ہماری شادی سے کوئی واسطہ نہیں ہے تو پھر اس سلسلے میں آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟"

"ظفر کے اصرار پر آیا ہوں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں تمہیں مستقبل کی ضمانت دوں۔ ضمانت یہ کہ شادی کے بعد تمہیں رہنے کے لئے ایک فلیٹ ملے گا اور باقاعدہ ماہانہ اخراجات ملتے رہیں گے۔"

"ظفر نے غلطی کی جو آپ کو میرے پاس لے آئے۔ آپ جیسے بزرگوں کو بھی اپنے ملک اور معاشرے کا اتنا علم ہونا چاہئے کہ یہاں کی لڑکیاں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی ضمانت پر ایک شوہر کے رشتے کو قبول کرلیتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بڑے گھرانوں میں لڑکی والے لڑکی کے کھانے، رہنے اور شاپنگ کے اخراجات اسٹامپ پیپر پر لکھواتے ہوں اس کے بعد نکاح پڑھواتے ہوں۔ میں وہی کروں گی جو سنت رسولؐ کا تقاضہ ہے۔"

گاڑی سائٹ کے علاقے میں پہنچ گئی تھی۔ ظفر نے فیکٹری سے کچھ دور اسے روک دیا۔ عشرت دروازہ کھول کر اترنے لگی۔ عظیم صاحب نے کہا۔ "ایک بات رہ گئی ہے۔ وہ یہ کہ پہلے ہم ظفر کی شادی اپنی مرضی سے کریں گے اس کے بعد اسے اجازت ہوگی کہ یہ تم سے شادی.........."

عشرت نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ "آپ پھر بھول رہے ہیں کہ ہماری شادی سے

آپ لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو اس سلسلے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں صرف ظفر کو جانتی ہوں۔ میں جارہی ہوں۔"

انہوں نے ہونٹوں کو بھینچ کر عشرت کو گھور کر دیکھا۔ پھر ظفر سے واپس چلنے کے لئے کہا۔ وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "عشرت! میں شام کو وقت پر آجاؤں گا۔"

وہ فیکٹری کی طرف چلی گئی۔ ظفر نے گاڑی واپس موڑلی۔ عظیم صاحب اپنے آپ بڑبڑائے۔ "واقعی! میں اس لڑکی سے ملنے کیوں آیا تھا؟"

ظفر نے کہا۔ "اس لئے کہ اسے ایک فلیٹ اور ماہانہ اخراجات کی ضمانت دے کر اپنا احسان مند بناسکیں۔"

"ہوں۔ لڑکی تمہاری طرح ضدی ہے مگر تم سے زیادہ قوت ارادی کی مالک ہے۔ تمہیں ہم سے چھین لینے کی خود اعتمادی بھی ہے۔ افسوس! ہم بوڑھے والدین اپنی دولت کو چوروں سے بچاسکتے ہیں۔ مگر اپنی اولاد کو لٹنے سے نہیں بچاسکتے۔"

ظفر خاموشی سے سنتا رہا اور کار ڈرائیو کرتا رہا۔

شام کو عشرت فیکٹری سے باہر نکلی تو وہ بہت دور کار کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ عشرت اس کی طرف سے انجان بن گئی۔ دوسری کام کرنے والی عورتوں کے ساتھ بس اسٹاپ کی طرف چلی گئی۔ ظفر سمجھ گیا کہ وہ دوسروں کی موجودگی میں اس سے ملنا نہیں چاہتی ہے۔ وہ کار میں بیٹھ کر لیاقت آباد کے اس فٹ پاتھ کے پاس پہنچ گیا۔ جہاں سے ایک گلی عشرت کے گھر کی طرف جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں پہنچ گئی۔ ظفر نے پوچھا۔ "کیا ناراض ہو؟"

"نہیں! آئندہ اپنی کار لے کر اُدھر نہ جانا۔"

"کیوں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ شادی کے بعد بھی میں ملازمت کروں گی۔ وہاں کی عورتیں پوچھیں گی کہ میں کار والے کی بیوی ہو کر پانچ سو روپے کی نوکری کیوں کرتی ہوں؟"

"تم شادی کے بعد نوکری نہیں کرو گی!؟"

"کروں گی۔ جب تک تمہارا اپنا کوئی کاروبار نہیں ہوگا۔ جب تک تم اپنے ابو کے رحم وکرم پر رہو گے۔ میں اخراجات کے لئے تمہاری جیب سے ایک پیسہ نہیں لوں گی۔ میرے ساتھ آؤ۔ آج میں تمہیں اپنے گھر والوں سے ملاؤں گی۔"

وہ اس کے ساتھ گلی میں داخل ہوکر بولا۔ "ابو کے کاروبار میں میرا بڑا ہاتھ ہے۔ یوں سمجھو کہ میں ہی کاروبار سنبھالتا آیا ہوں۔ جب سے گھر والوں نے تمہاری مخالفت کی ہے میں دماغی الجھنوں میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ کاروبار کی طرف دھیان دینا چھوڑ دیا ہے اب تمہاری خاطر کل سے پھر دفتر سنبھالوں گا اور وہاں سے جو رقم تمہارے لئے حاصل کروں گا وہ رقم ابو کی نہیں ہوگی بلکہ وہ سب کچھ میری محنت کا صلہ ہوگا۔ بولو پھر تو نوکری نہیں کرو گی نا؟"

"کروں گی۔ وہ کاروبار تمہارے ابو کا ہے۔ وہ تمہیں کسی بھی وقت نافرمانی کی سزا دینے کے لئے کاروبار سے بے دخل کرسکتے ہیں۔ جب تک تمہارا اپنا کاروبار نہیں ہوگا۔ میں ملازمت کرتی رہوں گی۔"

"چلو تمہاری یہ ضد اچھی ہے۔ مجھ میں اپنا کاروبار کرنے کی لگن پیدا ہوگی مگر تم میری محنت کی کمائی لیا کرو گی۔"

"اگر تم اپنے ابو کے ساتھ جی جان سے محنت کرو گے تو ضرور تمہاری کمائی پر میرا حق ہوگا۔"

اس نے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ ممانی نے دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ کھڑے ہوئے ظفر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک طرف ہٹ گئیں۔ ماموں نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کون ہے بیٹی؟ اندر آجاؤ۔"

اس نے اندر پہنچ کر تعارف کرایا۔ "ماموں جان! یہ ظفر اقبال ہیں۔ سوسائٹی میں ان کے والد کی بہت بڑی اسٹیٹ ایجنسی ہے اور یہ مجھے اپنی شریکِ حیات بنانے کے لئے

آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔"

ممانی کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ مگر وہ جلدی سے سنبھل گئیں۔ کیونکہ بہت دنوں سے عشرت کے بدلے ہوئے تیور دیکھتی آرہی تھیں وہ ایک کرسی کو آگے بڑھاتے ہوئے ظفر سے بولیں۔ "بیٹھو بیٹا! تم عشرت کے ساتھ آئے ہو۔ تمہارے لئے سر آنکھوں پر جگہ ہے۔"

ماموں نے کہا۔ "ہم عشرت کی خوشی میں خوش ہیں۔ مگر بیٹا پہلے تمہارے بزرگوں کو یہاں آنا چاہئے۔"

ظفر نے ہچکچاتے ہوئے عشرت کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "میرے والدین اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ یہاں نہیں آئیں گے۔"

"کیا بزرگوں کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتے ہو؟ اگر بعد میں اختلافات ہوئے تو.........؟"

"ہم بالغ ہیں۔ قانونی طور پر اپنی پسند کے مطابق شادی کرسکتے ہیں۔ کسی کی مخالفت ہمیں اپنے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکے گی۔"

ماموں ممانی نے عشرت کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "ظفر اپنے بزرگوں کی مخالفت کررہے ہیں۔ آپ لوگ مجھے مخالفت کا موقع نہ دیں۔ میرا نیک مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ صرف اپنے فائدے کو مدِ نظر رکھیں اور آپ کا فائدہ یہ ہے کہ شادی کے بعد بھی میں یہاں رہوں گی اور میری کمائی آپ کو ملتی رہے گی۔"

ممانی نے خوش ہوکر کہا۔ "تم سہاگن بن کر سسرال نہیں جاسکو گی ایسے میں ہمارا فرض ہے کہ ہم تمہیں اپنی پناہ اور حفاظت میں رکھیں۔ بس اب تم لوگ باتیں کرو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

وہ کچن کی طرف چلی گئیں۔ ماموں جان نے پوچھا۔ "نکاح کی رسم کب تک ہوگی؟"

عشرت نے کہا۔ "میں جلد ہی بتا دوں گی۔ ظفر! میرے کمرے میں چلو کچھ ضروری باتیں رہ گئی ہیں۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ ظفر نے آہستگی سے کہا۔

"امی اور ابو چاہتے ہیں کہ پہلے ان کی پسند سے شادی ہو۔"

"میں تمہارے بزرگوں کی چالاکیاں خوب سمجھتی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے پہلے ایک جوان اور حسین ساتھی تمہیں مل جائے گی تو تمہارے عشق کا بخار اتر جائے گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ہاں امی نے چپکے چپکے ایک بے حد حسین بہو ڈھونڈ نکالی ہے۔ آج مجھے اس سے ملایا گیا ہے۔ اس نے دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھایا۔ میرے ساتھ کوٹھی میں تین گھنٹے گزارے۔ اچھی ہنسنے بولنے والی لڑکی ہے۔ میرا خیال ہے وہ پتھر کو موم کر سکتی ہے۔ مگر میں اپنے وقت پر تمہارے پاس چلا آیا۔"

عشرت نے کہا۔ "پتھر اتنی جلدی موم نہیں ہوتا۔ کچھ وقت لگتا ہے تمہاری امی تو روز ملاقات کا موقع دیں گی۔"

"ہاں پلاننگ کچھ ایسی ہی ہے اور شادی بھی جلد ہی ہوگی۔ انہیں ڈر ہے کہ تم مجھے بھگا کر لے جاؤ گی۔"

"یہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ تم نے پہلے مجھ سے شادی کی تو تمہیں قانوناً مجھ سے دوسری شادی کی اجازت لینی ہوگی۔ ان کو ڈر یہی ہے کہ میں دوسری شادی میں رکاوٹیں ڈالوں گی۔"

"کیا تم ایسا کرو گی؟"

"نہیں۔ مگر تمہاری وہ بیوی ایسا کر سکتی ہے۔ میں اسے یہ موقع دینا نہیں چاہتی۔ اس لئے پہلے ہماری شادی ہوگی۔ ویسے اس کا نام کیا ہے؟"

"فرزانہ۔ ویسے فرزانہ کے علم میں یہ بات نہیں لائی جائے گی کہ میں دوسری شادی کرنے والا ہوں یا کر چکا ہوں۔ اس کی طرف سے کسی رکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوگا۔"

"تمہاری امی کی طرف سے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میرے خلاف کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے ہماری شادی ہوگی۔ بولو کب؟"

"جس دن فرزانہ سے تمہاری شادی ہوگی۔ اسی دن........."

ظفر نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب؟ یعنی کہ ایک ہی دن میری شادی تم سے بھی ہوگی اور فرزانہ سے بھی؟"

"ہاں' اپنے والدین کو مشورہ دینا کہ وہ شام کو فرزانہ سے تمہارا نکاح کریں۔ اس سے پہلے صبح ہمارا نکاح ہو چکا ہوگا۔"

"لیکن امی ابو نہیں چاہیں گے کہ ہماری شادی پہلے ہو۔"

"انہیں بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو ہماری شادی میں شریک نہیں ہوں گے انہیں شادی کی بات بتائی کیوں جائے؟"

"لیکن ایک ہی دن دو شادیوں کا تماشہ کیوں؟"

"دو شادیاں تو یوں بھی تماشہ ہوتی ہیں' خواہ ایک دن میں ہوں یا ایک سال کے وقفے سے ہوں۔ اپنے والدین سے پوچھو کہ یہ تماشہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"لیکن عشرت! میری دشواریوں کو سمجھو۔ میں اس روز کس دلہن کے پاس جاؤں گا؟ سہاگ کا پہلا دن نہیں ہوتا' پہلی رات ہوتی ہے اور وہ رات میں کہاں گزاروں گا؟"

"جدھر زیادہ کشش ہو' اُدھر چلے جانا۔"

وہ سر تھام کر بولا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تمہارے پاس بھاگا آؤں گا لیکن وہاں کوٹھی میں شادی کے موقع پر رشتے داروں کا ہجوم ہوگا۔ سب کی توجہ مجھ پر ہوگی۔ اگر انہوں نے مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع نہ دیا۔ رونمائی وغیرہ کی رسوم میں گھیر کر رکھ لیا تو کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ میں تم سے شکایت نہیں کروں گی۔"

"لیکن میرا دل ودماغ تو تمہاری طرف لگا رہے گا۔"

"یہی میری جیت ہوگی کہ اپنی امی کی بہو کے پاس جاکر تم میرے لئے بے چین رہو گے۔"

"اور تم شادی کے بعد اسی گھر میں رہو گی؟"

"ہاں یہیں رہوں گی لیکن میری خواہش ہے کہ تم شادی کے دن میرے لئے کسی اچھے ہوٹل میں کمرہ ریزرو کراؤ تاکہ دلہن بن کر میں اس گھر سے رخصت ہوسکوں۔"

"ٹھیک ہے کمرہ ریزرو ہوجائے گا۔"

"ہوٹل والوں سے کہنا کہ وہ کمرہ دلہن کی طرح سجایا جائے۔"

"یہ بھی ہوجائے گا۔"

"اور یہ بات تمہارے والدین کو یا کسی اور کو معلوم نہ ہو کہ میرے لئے کسی ہوٹل میں کمرا لیا گیا ہے۔"

"کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔"

"صبح نکاح کے بعد تم مجھے اپنے ساتھ یہاں سے لے جاؤ گے۔ پھر مجھے ہوٹل میں چھوڑنے کے بعد دوسری شادی کے لئے چلے جانا۔"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "یہ کیا حماقت ہے۔ میں اپنی محبت کو اپنی جان کو دلہن بناؤں اور ہوٹل میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکے گا۔"

"ہمیشہ کے لئے تو چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ تم کسی وقت کسی دن بھی واپس آؤ گے تو میں اسی ہوٹل کے کمرے میں سراپا انتظار بن کر ملوں گی۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔ "عشرت! میرے والدین میری دوسری شادی کی حماقت کر رہے ہیں مگر تم یہ تماشہ نہ کرو۔ تم چاہو تو ہم کل ہی شادی کرسکتے ہیں۔"

"میری شادی ایک دن پہلے بھی ہوگی تو دوسرے دن فرزانہ نئی نویلی ہوگی اور میں

پرانی ہوجاؤں گی میں چاہتی ہوں کہ جب تم فرزانہ کے پاس جاؤ تو میں تمہارے لئے بالکل نئی اور اچھوتی رہوں۔ اس دنیا کے بازار میں کوئی اپنا بھاؤ گرانا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے میری شادی یا تو فرزانہ کے بعد ہوگی۔ یا ایک ہی دن دو شادیاں ہوسکتی ہیں۔ میں فرزانہ کے بعد اس لئے شادی سے انکار.......... کروں گی کہ اُدھر سے رکاوٹیں ضرور پیدا ہوں گی۔ لہٰذا تم ایک ہی دن دونوں شادیاں کرسکتے ہو؟"

ظفر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ کچھ.......... کہنا چاہتا تھا پھر چپ ہوگیا۔ کیونکہ ممانی چائے اور ناشتے کی ٹرے لے کر آگئی تھیں۔

☆------☆------☆

کوٹھی میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ بہت ہی خوبصورت اور مہنگے دعوت نامے چھپوائے گئے تھے۔ یعنی شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی تھی۔ اسی تاریخ کی صبح عشرت سے نکاح پڑھوانے کے انتظامات کئے گئے تھے۔ ظفر کا بہت ہی گہرا راز دار دوست یہ انتظامات کر رہا تھا اسی نے دولہا دلہن کے لئے ہوٹل میٹروپول میں ایک کمرہ ریزرو کروایا تھا۔ ظفر ان دنوں بہت زیادہ مصروف ہوگیا تھا۔ عشرت کے مزاج کو سمجھتے ہوئے وہ اسٹیٹ ایجنسی کے دفتر میں بیٹھ کر کام کرنے لگا تھا۔ عظیم صاحب خوش تھے کہ بیٹا کاروبار کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

کاروباری مصروفیات کے باوجود وہ شام کو عشرت سے ضرور ملتا تھا ایک مصروفیت اور بڑھ گئی تھی اور وہ یہ کہ فرزانہ بھی اس سے ملنے کے لئے کبھی کوٹھی میں اور کبھی دفتر میں پہنچ جاتی تھی۔ یہ بزرگوں کی سازش تھی کہ اِدھر سے فرزانہ کا بھی جادو چلتا رہے۔ پہلے ظفر اس لڑکی سے بدظن رہا۔ پھر رفتہ رفتہ میل ملاپ سے فرزانہ کی شائستگی اور شستہ خیالات کا پتہ چلا۔ وہ بے چاری تو اسے اپنا ہونے والا جیون ساتھی سمجھ کر ابتدائی ملاقاتوں میں اس کے ہم مزاج ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کسی عشرت کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے ظفر سے ملاقات نہیں کرتی تھی۔

فرزانہ کا ایک حسن یہ تھا کہ وہ کم عمر تھی۔ زیادہ سے زیادہ بیس برس کی ہوگی۔ سر سے پاؤں تک کوئی عیب نہ تھا۔ انگ انگ حسین تھا۔ تازہ کھلا ہوا گلاب لگتی تھی۔ اگر ظفر صرف حسن و شباب کا رسیا ہوتا تو اس کی دیوانگی عشرت سے فرزانہ کی طرف منتقل

ہوجاتی۔ مگر عشق ایسا ہوتا ہے کہ خدا کو دیکھتا نہیں ہے لیکن اس کی خدائی.......... کو سجدہ کرتا ہے کچھ ایسا ہی عشق عسرت سے تھا۔ عشرت کی سنجیدگی‘ اس کی خود داری‘ باوقار انداز اور کچھ اس کا بڑا پن ایسا تھا کہ ظفر ایک بچے کی طرح اس کی طرف بھاگنے لگتا تھا۔ کوہ ندا کی طرف دوڑنے والا یہ تجزیہ نہیں کرسکتا تھا کہ کون سی کشش اسے کھینچ رہی ہے۔

فرزانہ محض حسین اور پُرشباب ہوتی تو ظفر کو کبھی متاثر نہ کرسکتی لیکن وہ بے حد ذہین بھی تھی۔ وقت‘ ماحول اور اپنے ساتھی کے مزاج کو سمجھ کر باتیں کرتی تھی۔ اس میں سنجیدگی اور شوخی کا امتزاج تھا۔ اس کی باتوں میں بڑی ذہانت تھی.......... مگر بولنے کے انداز میں لڑکپن کا حسن ہوتا تھا۔ ظفر کے دل میں اس کے متعلق سوچنے کے لئے ذرا سی گنجائش پیدا ہوگئی تھی اور سوچ یہ تھی کہ وہ اور اس کے والدین بے چاری کو دھوکہ دے رہے تھے۔ دوسری شادی کی بات اس سے چھپا رہے ہیں۔ ظفر اس سے ملتا تھا اور اس سے رخصت ہونے کے بعد ندامت سے سوچتا تھا کہ فرزانہ نے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور وہ اس کے تمام مستقبل کو نقصان پہنچانے والا ہے۔

ان حالات میں فرزانہ سے ہمدردی اور لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ ابھی اس لگاوٹ کا کوئی نام نہیں تھا لیکن وہ عشرت کے سامنے اب فرزانہ کا ذکر نہیں کرتا تھا۔ اتنی سمجھ تھی کہ ایک عورت کے سامنے دوسری عورت سے ہمدردی کرو تو وہ ہمدردی کو ڈھکی چھپی لگاوٹ سمجھتی ہے۔ خصوصاً ایک سوکن کو دوسری سوکن کی تباہی کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اس لئے وہ فرزانہ کے ذکر سے پرہیز کرتا تھا۔ اس پردے کے پیچھے وہ فرزانہ سے ہونے والی ملاقاتوں کو چھپاتا تھا یہ ایک اخلاقی مجبوری تھی۔ اس مجبوری کے سبب یہ ہوا کہ فرزانہ ایک ذرا اہم ہوگئی۔ اس کی ذات کے ساتھ چھپ کر رہنے والی ایک چیز بن گئی۔

شادی کا دن آپہنچا۔ ظفر نے بہت سویرے اٹھ کر شیو کیا۔ پھر غسل کرنے کے بعد بہترین سوٹ پہن کر گھر سے نکلنے لگا۔ ماں نے ٹوکا۔ ”اتنی صبح کہاں جارہے ہو؟“

"امی! ایک دوست کو دعوت دینا بھول گیا تھا۔ ابھی اسے دعوت نامہ دے کر واپس آجاؤں گا۔ ناشتہ یہیں کروں گا۔"

وہ بہانے کرکے اپنے دوست کے ہاں پہنچا۔ وہاں بارات روانہ ہونے کے لئے تیار تھی۔ نو بجے وہ لوگ عشرت کے ہاں پہنچے۔ شادی کی تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ دس بجے تک نکاح پڑھایا گیا بڑی سہولت سے تمام فرائض ادا ہوگئے۔ گنتی کے دو چار باراتیوں کو ہلکا سا ناشتہ کرایا گیا۔ گیارہ بجے تک وہ عشرت کو دلہن بنا کر ہوٹل کے کمرے میں لے آیا۔

وہ کمرہ دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ سیج پر پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی خوشبو لٹا رہی تھیں۔ عشرت گھونگھٹ نکالے سیج پر بیٹھ گئی۔ ظفر نے اپنے دوست اور اس کی بیوی کو رخصت کردیا کیونکہ شام کو انہیں دوسری شادی میں بھی حاضر ہونا تھا۔

انہیں رخصت کرنے کے بعد اس نے دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ سرخ جوڑے میں چھپی ہوئی دلہن مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "عشرت! ایک طویل عرصہ سے تمہارے پیچھے بھاگتے بھاگتے کانٹوں پر چلتے چلتے آج ان پھولوں کی سیج تک پہنچ گیا ہوں۔ آج میری زندگی کا تم سب سے خوبصورت انعام بن کر مل رہی ہو۔"

وہ سیج کے کنارے دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔ "کل بھی تم میری تھیں مگر پرائی پرائی سی تھیں۔ آج میری دلہن ہو۔ آج سے تمہارے وجود پر میرے نام کی مہر لگ گئی ہے۔ اب میں تمہیں چھو سکتا ہوں اور تمہیں اٹھا کر اپنے دل میں رکھ سکتا ہوں۔ اس کی اجازت مجھے دنیا والوں نے دی ہے اور تم نے بھی قبول کیا ہے۔"

اس نے عشرت کے حنائی ہاتھوں کو تھام لیا۔ وہ ہاتھ گرم تھا اور ظفر کے احساسات تک اپنی گرمی پہنچا رہا تھا۔ وہ ایک انگلی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہارے قریب پہنچنے کی رشوت ہے۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف!"

انگوٹھی پہنانے کے بعد اس نے بڑے شوق سے گھونگھٹ اٹھا کر دیکھا۔ اس کی

آنکھیں بند تھیں۔ صندلی مکھڑے پر حیا کھیل رہی تھی۔ سونے کے زیورات کی پیلاہٹ اور افشاں کی جگمگاہٹ میں وہ خواب خواب سی لگ رہی تھی۔ وہ جانے بے خودی میں کیا کچھ کہتا رہا۔ پھر اچانک جیسے حسن وشباب اور پیار و محبت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ عشرت اس سے کترا رہی تھی۔

ظفر نے مسکرا کر پوچھا۔ "اب تو تمہیں تڑپانا نہیں چاہئے۔ کیا میری محبت کا انداز پسند نہیں ہے۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "یہ بات نہیں ہے۔ وہاں شادی کے گھر میں تمام رشتے دار تمہارے لئے پریشان ہوں گے۔ تمہیں وہاں جاکر دولہا بننا ہے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ابھی ایک بجنے والا ہے میں دو گھنٹے کے بعد بھی وہاں پہنچ کر دولہا بن سکتا ہوں۔ میں یہاں سے ٹیلی فون کے ذریعے امی اور ابو کو بتادوں گا کہ تین بجے وہاں پہنچوں گا۔"

وہ اٹھ کر ٹیلی فون کی طرف جانے لگا۔ عشرت نے کہا۔ "ٹھہرو! ابھی ہم لنچ کے لئے نیچے جائیں گے۔ لنچ کے بعد تم دو بجے تک وہاں پہنچ سکتے ہو تمہیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے۔"

"کیا میری قربت ناگوار ہے؟"

"قربت نہیں بلکہ وہ دوری جو دوسری شادی کے لئے ہوگی۔ میرے محبوب!"

عشرت نے اسے باتوں سے بہلادیا۔ پھر وہ لباس بدلنے باتھ روم میں چلی گئی۔ ظفر نے کمرے میں ہی کھانا منگوایا۔ پھر عشرت کے ساتھ کھانے کے دوران یہی کہتا رہا کہ وہ فرزانہ کو دلہن بنا کر کوٹھی میں پہنچانے کے بعد آدھی رات سے پہلے ہی عشرت کے پاس آجائے گا اور جب تک نہیں آئے گا ٹیلی فون کے ذریعے اس سے رابطہ قائم کرتا رہے گا۔

وہ چپ چاپ کھانا کھاتی رہی اور سوچتی رہی کہ ظفر کی بے قراری برقرار رہنی

چاہئے۔ آج سہاگ رات نہ سہی مگر وہ فرزانہ کی سہاگ رات میں اسے یاد کرتا رہے گا۔ جادو وہی ہے جو سوکن کی آغوش میں بھی سرچڑھ کر بولے۔

کھانے کے بعد اس نے بڑی اپنائیت سے ظفر کو رخصت کردیا۔ وہ ہوٹل سے باہر آکر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اپنی کوٹھی کی طرف جاتے وقت اس کے دل و دماغ میں مہندی کی لالی' سرخ جوڑے کی سرسراہٹ اور پسینے کی مہک بسی ہوئی تھی۔ اس نے پہلی بار اپنی محبوبہ کو دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ روپ نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ وہ جس حد تک ملی تھی اس حد تک کی یادیں تڑپا رہی تھیں۔ اب وہ دوسری شادی کے لئے یوں جارہا تھا جیسے پھانسی کے تختے پر جارہا ہو۔

وہ کوٹھی میں پہنچا تو سب ہی پریشانی کا اظہار کررہے تھے عظیم صاحب غصے میں لال پیلے ہورہے تھے۔ بیگم اس خیال سے گھبرائی ہوئی تھی کہ عشرت اس کے بیٹے کو بھگا کر لے گئی ہے۔ ظفر کو دیکھ کر غصہ بھی آیا اور اطمینان بھی ہوا۔ وہ چپ چپ سا تھا۔ دولہا بننے کا ارمان پورا ہوچکا تھا اس لئے کوئی خوشی نہ تھی۔ شام کو وہ مجبوراً دولہا بن کر اپنی بارات کے ساتھ کوٹھی سے روانہ ہوا۔ اس وقت تک وہ سب کچھ بھولا ہوا تھا۔ صرف عشرت یاد آرہی تھی۔

پھر اچانک ہی وہ جیسے خواب سے چونک گیا۔ قاضی صاحب پوچھ رہے تھے۔ "کیا فرزانہ بیگم سے نکاح قبول ہے؟" یہ ایسا سوال تھا کہ اس لمحے اس نے خود کو دھوکے باز سمجھا۔ وہاں وہ ایک شریف زادی کو فریب دے کر اپنے ساتھ لے جانے آیا تھا۔

قاضی صاحب نے پھر پوچھا۔ "بولو برخوردار! کیا نکاح قبول ہے؟"

اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا عظیم صاحب اسے گھور کر دیکھ رہے تھے وہ جلدی سے بولا۔ "جی ہاں قبول ہے۔"

اس دنیا میں بہت سی ناجائز باتیں قبول کی جاتی ہیں۔ ہوٹل میں ایک شریف زادی کو ادھوری سہاگن بنا کر چھوڑ آنا قبول ہے۔ بزرگوں کی ضد پر دوسری شریف زادی کو بھی

دلہن بنا کر کوٹھی میں چھوڑنا قبول ہے۔ شریف گھرانوں میں بھی لڑکیوں کے مستقبل سے کھیلا جاتا ہے اور ایسے کھیلوں کو شرعی نکاح کی طرح قبول کیا جاتا ہے۔ ظفر نے تین بار قبول کرلیا۔

نکاح کے بعد وہ ذہنی پریشانی میں مبتلا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ عزیز واقارب کے مبارکباد دینے پر کیسے مسکرائے؟ اس کے خیالوں میں اب فرزانہ بھی سہاگن بن کر مسکرا رہی تھی اور اس کا ضمیر پوچھ رہا تھا کہ وہ بے قصور فرزانہ کی مسکراہٹ کو کیسے زخمی کردے گا؟ پہلے یہ مسئلہ آسان لگا تھا کہ ماں باپ کی پسند کے مطابق شادی کرکے وہ ان کی بہو کو اس کے حال پر چھوڑ دے گا۔ یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ فرزانہ بھی کسی طور اہمیت اختیار کرلے گی۔

دلہن کو رخصت کرنے سے پہلے عورتوں نے جلوہ نمائی کی رسم ادا کی ایک بڑے سے آئینے میں ظفر کو دلہن کا چہرہ دکھایا گیا۔ سولہ سنگار کے بعد فرزانہ کا حسن ایسا جاذب نظر ہوگیا تھا کہ ظفر دیکھتا اور سوچتا رہ گیا۔ عشرت اب بھی دل میں دھڑک رہی تھی لیکن فرزانہ کا حسن فریادی تھا کہ مجھے چھوڑ کر کیوں جاؤ گے؟ جانے کا ارادہ کرنے سے پہلے میرا جرم بتا دینا۔

رخصتی کے وقت دولہا اور دلہن کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ صبح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر عشرت اسی طرح اس کے ساتھ بیٹھ کر ہوٹل تک گئی تھی۔ اب فرزانہ جارہی تھی۔ دلہنیں دو تھیں اور رات ایک تھی اور اس رات کو کس کے ساتھ گزارنا تھا؟ اس کے ساتھ یا اس کے ساتھ۔ ایک کے ساتھ انصاف ہوتا تو دوسری کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑتا۔

اپنی کوٹھی میں پہنچتے ہی وہ سیدھا ٹیلی فون کی طرف گیا۔ ریسیور اٹھا کر ہوٹل کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ قائم ہونے پر آپریٹر سے عشرت کے کمرے کا نمبر ملانے کو کہا۔ چند سیکنڈ کے بعد ہی ریسیور سے عشرت کی آواز سنائی دی۔ ظفر نے بتایا کہ شادی ہوچکی ہے اور وہ

دلہن کو کوٹھی میں لے آیا ہے۔ عشرت نے کہا۔ "مبارک ہو۔ کل صبح میں تمہیں سہاگ رات گزارنے کی مبارک باد دوں گی۔ صبح میرے فون کا انتظار کرنا۔"

"طعنے نہ دو۔ میری اس رات کی صبح تمہارے ساتھ ہوگی۔ میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی کچھ رسومات باقی ہیں۔"

"ظفر! میرا مشورہ ہے کہ فرزانہ سے انصاف کرو۔ اس پر پہلے ہی ایک سوکن لانے کا ظلم ہوچکا ہے۔ اس کی سہاگ رات چھین کر دوسرا ظلم نہ کرو۔"

ظفر نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم فرزانہ کے متعلق اسی انداز میں سوچتی ہو؟ یعنی کہ آج جو تمہارا حق ہے وہ اسے دینا چاہتی ہو؟"

"ہاں' اس کے ساتھ ہی مجھے تمہاری مجبوریوں کا احساس ہے۔ اب میں تمہاری شریکِ حیات ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں تمہاری پریشانیاں دور کروں۔ تم فرزانہ کو چھوڑ کر آؤ گے تو کل......... تمہاری اور تمہارے خاندان کی بدنامی ہوگی۔ تمہاری برادری اور تمہاری سوسائٹی کے معزز لوگ تمہارا محاسبہ کریں گے۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کروں گی کہ تم اپنے لوگوں کی نظروں سے گر جاؤ۔"

"تم کتنی اچھی ہو عشرت! مجھے پہلے تم سے محبت تھی اب عقیدت بھی ہے۔ میں تمہارے پاس سے آنے کے بعد اب تک ذہنی پریشانیوں میں مبتلا رہا۔ ہمدردی سے سوچتا رہا کہ ہمارا جھگڑا بزرگوں سے ہے۔ پھر میں شوہر کے نام پر فرزانہ سے کیوں دشمنی کر رہا ہوں۔ تمہاری باتوں نے مجھے حوصلہ دیا ہے۔ میں ابھی سوچوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرا دل تو تمہاری ہی طرف لگا ہوا ہے!"

اچانک عظیم صاحب کی آواز سنائی دی۔ "یہ فون پر کس سے باتیں ہو رہی ہیں؟"

بیگم نے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی یہ عشرت کا نام لے رہا تھا۔ ضرور وہی چڑیل باتیں کر رہی ہوگی۔"

"امی! آپ اس کے لئے برے الفاظ منہ سے نہ نکالیں۔ اب وہ میری عزت ہے'

میری شریکِ حیات ہے۔"

عظیم صاحب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ بیگم نے پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا میں نے دروازے کو اندر سے بند کردیا ہے۔ لڑکے! تیری یہ بکواس کوئی سن لے گا تو سچ سمجھ کر ہمیں بدنام کرے گا۔"

"امی! یہ سچ ہے۔ آج صبح عشرت میری دلہن بن چکی ہے۔ اسی لئے میں دوپہر تک یہاں سے غائب رہا تھا۔"

چند لمحوں تک وہ دونوں سکتے کی حالت میں بیٹے کا منہ تکتے رہے۔ پھر بیگم نے اپنی چھاتی پیٹ کر کہا۔ "یہ تو نے کیا کیا؟ میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی۔ فرزانہ کے خاندان والوں کو معلوم ہوگا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

عظیم صاحب نے ایک دم سے نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ تمہارے جیسا بے وقوف اور پاگل لڑکا عشرت کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ بہرحال جو ہوگیا میں اس پر بحث نہیں کروں گا۔ یہ اچھی طرح یاد رکھو۔ اگر ابھی تم فرزانہ کو چھوڑ کر اس کے پاس جاؤ گے تو صبح تمہیں میری لاش ملے گی۔ میں فرزانہ کے والدین کو منہ دکھانے سے پہلے مر جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلے گئے۔ بیگم بھی کچھ ایسی ہی دھمکی دے کر چلی گئیں۔ ظفر اسی طرح ریسیور تھامے کھڑا تھا۔ عشرت کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "چلو اچھا ہوا کہ انہیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ شادی کی ہے۔ بہرحال اب ریسیور رکھ دو اور فرزانہ کے پاس جاؤ۔ حالات کا تقاضا یہی ہے۔ صبح میں تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

اتنا کہنے کے بعد دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ وہ گم صم کھڑا سوچتا رہ گیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس نے صرف عشرت کو حاصل کرنے کے لئے دوسری شادی کی شرط پوری کی تھی۔ اب یہ دوسری شادی بڑی مہنگی پڑ رہی تھی۔ اس کی سوچ کے دوران

رشتے کی بہت سی لڑکیاں قہقہے لگاتی ہوئی کمرے میں آئیں۔ ظفر نے چونک کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ لڑکیاں اسے پکڑ کر دوسری عورتوں کے ہجوم میں لے گئیں۔ وہاں کچھ رسمیں ادا کی گئیں۔ وہ دماغی طور سے حاضر نہیں تھا۔ رسوم ادا کرنے کے دوران وہ بیزار سا رہا۔ کچھ منہ پھٹ عورتوں نے کہہ بھی دیا کہ دولہا میاں کو شادی کی کوئی خوشی نہیں ہے دیکھا جائے تو اسے دوشادیوں کی ڈبل خوشیاں حاصل ہونی چاہئے تھیں مگر ایک خوشی بھی حصے میں نہیں آرہی تھی۔

آخر وہ وقت آیا کہ عورتوں نے اس کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے اور ہنستے کھلکھلاتے ہوئے اسے دلہن کے کمرے میں دھکیل دیا۔ وہ پھولوں کی سیج پر عشرت کی طرح گھونگھٹ میں منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ظفر کو یوں لگا جیسے وہ ہوٹل کے کمرے میں عشرت کے پاس پہنچ گیا ہے۔ بالکل وہی منظر تھا۔ عورتیں دلہن بن کر ایک جیسی ہی لگتی ہیں۔ گھونگھٹ اٹھاؤ تو پتہ چلتا ہے کہ وہاں عشرت ہے یا فرزانہ۔ وہ سوچنے لگا۔

"فرزانہ ہی ہے مگر میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ اس دلہن سے کیا کہوں گا؟ محبت کے دو بول بولوں گا تو وہ جھوٹے ہوں گے۔ اسے گلے لگاؤں گا تو یہ محبت نہیں عیاشی ہوگی.......... میں کیا کروں؟"

اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ یہ خیال کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا کہ یہ دلہن نہ ہوتی تو وہ اپنی عشرت کے پاس ہوتا.......... فرزانہ نے دلہن بن کر صرف آج ہی راستہ نہیں روکا ہے بلکہ اب اسے یہ حق بھی حاصل ہوگیا ہے کہ وہ اس کی ہر رات کا حساب لے سکتی ہے۔ وہ حساب نہیں دے گا تو گھر میں آئے دن جھگڑے ہوا کریں گے۔ ایک بات یہ سمجھ میں آنے لگی کہ اب بھی وقت ہے دلہن کو ہاتھ لگانے سے پہلے سچ بول دیا جائے۔ جھوٹ آج نہیں تو کل کھل جائے گا اور جھوٹ کل کھلے گا تو بہت زیادہ پریشانیاں لائے گا۔ آج کی سچائی سے ضمیر کو اطمینان حاصل ہوگا۔

وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ سچ کا آغاز کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگا۔

جو لوگ جھوٹ سے گزر کر آتے ہیں۔ ان کے لئے سچ بولنا بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ وہ فرزانہ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اگر وہ دیکھ رہی ہوتی تو شاید کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ وہ تو گھونگھٹ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ دستور سمجھ میں آیا کہ عورت کو حیا کے نام پر خاموش رکھ کر اسے کچھ بھی کہا جاسکتا ہے اور اس سے کوئی بھی بات منوائی جاسکتی ہے۔

"فرزانہ!" وہ ایک مجرم کی سی لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج میری اور تمہاری نئی زندگی شروع ہونے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے شروع کرنے سے پہلے ہم ایک دوسرے کو پرکھ لیں۔ تم کیا ہو؟ اور اپنے اندر کتنی دور تک چھپی ہوئی ہو۔ یہ میں نہیں جانتا۔ میں نے اپنے اندر جو کچھ چھپا رکھا ہے' وہ میں بتانا چاہتا ہوں۔"

وہ گھونگھٹ میں سمٹنے لگی۔ اس نے کہا۔ "تمہارا گھونگھٹ ابھی موجود ہے۔ لڑکیاں حیا اور تہذیب کا یہ گھونگھٹ اس لئے اوڑھتی ہیں کہ اس کا مرد صرف اس کا ہی ہو اور دنیا کی کوئی عورت اس مرد سے اپنا حصہ طلب نہ کرے لیکن میں ایسا ہوں کہ تمہیں دلہن بنانے سے پہلے تقسیم ہوچکا ہوں۔ تم سے پہلے میری ایک اور شادی ہوچکی ہے میری ایک اور شریکِ حیات ہے۔"

فرزانہ کا جھکا ہوا سر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اگرچہ وہ اب بھی گھونگھٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ یہ نظر نہیں آتا تھا کہ اندر سے اس کا کیا حال ہو رہا ہوگا؟ تاہم ایک جھٹکے سے اٹھنے والے سر نے یہ اشارہ دیا تھا کہ عورت سر اٹھانا جانتی ہے۔ ابھی تو وہ صرف چونکی ہے۔ ابھی تو وہ سچائی کے زہر کو پینے سے پہلے سونگھ رہی ہے۔ سہاگ کی رات کو محبت کا جام نہ ملے زہر ملے تو کون پیتا ہے؟ بھلا وہ بھی کیسے پی سکتی تھی؟

وہ بولا۔ "میں تمہیں دھوکہ دے کر تمہارے تصورات کا غرور توڑنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے گھونگھٹ اٹھانے سے پہلے تمہیں صحیح حالات سے آگاہ کر رہا ہوں۔ میرے حالات کے مطابق تم میری شریکِ حیات بن کر رہنا پسند کروگی تو میں پاس آکر گھونگھٹ اٹھاؤں گا اور

تمہارے حصے کی محبت تمہیں دوں گا۔"

فرزانہ نے خاموشی سے احتجاج کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے گھونگھٹ اتار دیا۔ چپ بیٹھی سامنے والی دیوار کو گھورتی رہی اور ظفر کی آواز سنتی رہی۔ وہ بتا رہا تھا کہ عشرت کے لئے اس کی دیوانگی کیسی ہے؟ اور والدین کی مخالفت نے کس طرح دو شادیوں کے لئے راہیں ہموار کردی تھیں؟ اس نے یہ بھی اعتراف کیا کہ وہ فرزانہ سے متاثر ہے۔ اسے کسی طور دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ فرزانہ سے ایسا لگاؤ بھی ہے کہ آئندہ وہ پیار سے ازدواجی زندگی اس کے ساتھ گزار سکتا ہے۔

وہ سنتی رہی۔ اس کا ذہن الجھتا رہا۔ ذرا دیر کو غصہ آتا تو وہ بڑے تحمل سے کام لیتی۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ بچپن ہی سے اپنے والد کی کاروباری ذہنیت سے متاثر تھی اور یہ سمجھتی اور سیکھتی آئی تھی کہ کاروبار میں کبھی نقصان ہو تو بڑے صبر سے دماغ کو قابو میں رکھ کر نقصان کی وجوہات کو سمجھنا چاہیے۔ جب وجوہات سمجھ میں آجائیں تو نقصان پہنچانے والے عناصر سے دامن بچا کر یا ان عناصر کو مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے منافع کے لئے راستے ہموار کرنا چاہیے۔

سہاگ کے کاروبار میں اسے نقصان پہنچانے والی صرف ایک عشرت تھی۔ وہ گھوم پھر کر یہی سوچ رہی تھی کہ فی الحال وہ سوکن کے مقابلے میں برتری حاصل نہیں کرسکے گی۔ اس کے لئے پہلے اپنے مرد کو جیتنے کی کوشش ضروری ہے۔ اتنی جلدی کامیابی کی توقع محض نادانی ہوگی۔ مجھے ذرا صبر سے کام لینا ہوگا۔

ظفر نے ساری روداد سنانے کے بعد پوچھا۔ "فرزانہ! ان حالات میں اپنا فیصلہ سناؤ۔ کیا تم میری شریکِ حیات بن کر رہنا پسند کرو گی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میرے آگے جو راستہ ہے' وہاں پھولوں کے ساتھ کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ آپ کا فرض تھا کہ شادی سے پہلے مجھے کانٹوں سے آگاہ کردیتے۔ چلئے میں مان لیتی ہوں کہ آپ اب تک ذہنی طور پر کشمکش میں مبتلا رہے تھے

لیکن میرے لئے اب دیر ہوچکی ہے......... مجھ پر سہاگن ہونے کی مہر لگ چکی ہے۔ ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔ خاندان کے افراد اور سوسائٹی کے لوگ مذاق اڑائیں گے۔ میرے والدین کے سر جھک جائیں گے۔ ہمیں بچپن سے تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے بزرگوں کو بدنامیاں اٹھانا پڑیں۔ میں یہاں سے آپ کی عزت بن کر میکے جاؤں گی تو آپ کی عزت بھی رہے گی اور میرے میکے کی لاج بھی رہ جائے گی۔"

اس کی باتوں نے ظفر کو اتنا متاثر کیا کہ اس نے فوراً ہی پاس بیٹھ کر بڑی عقیدت سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ "فرزانہ! تمہاری ذہانت نے مجھے جیت لیا ہے۔ واقعی تمہارے اس دانش مندانہ فیصلے سے دونوں خاندانوں کی عزت رہ جائے گی۔ مجھے بھی تم شرمندگی سے بچا رہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہارے لئے اتنا کچھ کروں کہ میری اس غلطی کی تلافی ہوجائے۔"

"آپ میرے لئے کچھ کرسکتے ہیں تو بس یہی کہ جتنی دیانتداری سے آپ نے سچ کہا ہے' اتنی ہی ایمانداری سے مجھے اپنی محبت اور توجہ دیں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ پوری ایمانداری اور سچائی سے تمہیں محبت اور توجہ دوں گا۔ تم وعدہ کرو کہ کبھی مجھے عشرت سے ناانصافی پر مجبور نہیں کرو گی۔"

وہ ذرا ہچکچائی' کیونکہ دنیا کے ہر کام میں حصے داری ہوسکتی ہے لیکن شوہر کے معاملے میں نہیں ہوسکتی۔ وہ کبھی مجبوری سے ایک گالی برداشت کرسکتی تھی۔ پر سوکن کو کسی حال میں برداشت نہیں کرسکتی۔ اس وقت ظفر کو جیتنے کے لئے اس نے کہا۔ "آپ مجھ سے انصاف کرتے رہیں گے تو میں عشرت سے ناانصافی کی بات نہیں کروں گی۔ ویسے آپ یہ بتائیں آج صبح اس سے شادی ہوئی اور اس نے اپنی سہاگ رات کیا سوچ کر مجھے دے دی؟"

"وہ بھی تمہاری طرح ذہین ہے اپنے جذبات سے زیادہ میری پریشانیوں کو سمجھتی ہے۔ اس لئے اس نے مجھے یہاں رات گزارنے کے لئے کہا ہے۔"

"وہ تو بہت یاد آرہی ہوگی؟"

"ہاں۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب بھی میں تمہارے پاس رہوں گا' سر سے پاؤں تک تمہارا رہوں گا۔" وہ آگے بڑھا تو وہ اور پرے ہوگئی۔ ظفر نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ "وہ.......... مجھے.......... وہ آپ کی عشرت یاد آرہی ہے۔"

"عشرت یاد آرہی ہے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی ہاں! ابھی میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ عشرت سے ناانصافی نہیں کروں گی لیکن ابھی اس سے ناانصافی ہورہی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"ایسے' کہ پہلے آپ نے عشرت سے شادی کی ہے۔ پہلے اس کی سہاگ رات آئے گی مگر نہیں آئی اور یہ ناانصافی میری وجہ سے ہورہی ہے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔"

"ایں۔ کیا مطلب؟" وہ پریشان ہوکر اس کا منہ تکنے لگا۔

وہ منہ پھیر کر بولی۔ "آپ کو اسی وقت عشرت کے پاس جانا چاہئے۔"

"مم.......... مگر.........." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس بات کی خوشی تھی کہ فرزانہ اسے عشرت کے پاس جانے کو خود ہی کہہ رہی تھی۔ مگر وہ خوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ فرزانہ کی محبت میں کمی نہ آئے اور خود کہنے کے باوجود اس کے جانے کا بعد میں برا نہ منائے۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے پاس رہوں گا۔ یہ عشرت سے ناانصافی نہیں ہوگی۔ کیونکہ خود عشرت نے مجھے یہاں.........."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "آپ عشرت کے کہنے سے یہاں آسکتے ہیں تو میرے کہنے سے وہاں بھی جاسکتے ہیں۔ کیا آپ اس کی بات مانیں گے اور میری بات کو ٹال دیں گے؟"

"نن.......... نہیں.......... میں تمہاری بات کبھی نہیں ٹال سکتا۔ مگر بیک وقت دونوں کی باتوں پر عمل کروں گا تو اُدھر کا رہوں گا نہ اِدھر کا۔"

"دیکھئے آپ مرد ہیں۔ ہم سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ آپ ہم عورتوں کی باتوں پر عمل نہ کریں۔ خود ہی اصول کے مطابق سوچئے کہ جس سے پہلے شادی ہوئی ہے اسی کا پہلا حق ہے۔"

وہ قائل ہوکر بولا۔ "تم درست کہتی ہو۔ اصولاً یہی ہونا چاہئے لیکن تمہیں چھوڑ کر جانے سے مجھے شرمندگی ہوگی۔"

"جب ہمارے درمیان اختلاف نہیں ہے اور میں خود کہہ رہی ہوں تو شرمندگی کیسی؟ چلئے میں آپ کے ساتھ باہر برآمدے تک چلوں گی۔"

وہ بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ظفر نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "مگر گھر والے کیا کہیں گے؟ یہاں رشتے داروں کی بھیڑ لگی ہے۔"

وہ قریب آکر بولی۔ "ایک بج رہا ہے سب لوگ اپنے اپنے کمرے میں ہوں گے اگر کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو کہہ دیں گے کہ آپ سگریٹ لانے یا میرے لئے آئس کریم لانے جارہے ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے جو برائے نام فاصلہ تھا وہ بھی مٹ گیا۔ فرزانہ اسے اس کی منزل کی طرف روانہ کرتے ہوئے اس کا دل جیت چکی تھی اور پورے اعتماد سے سمجھ رہی تھی کہ اب وہ سوکن کی سیج پر بھی اسے یاد کرتا رہے گا۔

وہ دونوں کمرے سے باہر آئے۔ کاریڈور میں سناٹا تھا۔ دوسرے کمروں میں مرد' عورتیں اور بچے شادی کی خوشیوں سے تھک کر سو رہے تھے۔ ڈرائنگ روم میں بھی کتنے ہی رشتے دار فرش پر اور صوفوں پر نیند پوری کررہے تھے۔ وہ دونوں دبے پاؤں ڈرائنگ روم سے گزر کر باہر برآمدے میں آئے۔ پورچ میں کار کھڑی ہوئی تھی۔

ایک سمت سے عظیم صاحب کی آواز آئی۔ "کار کی چابی میرے پاس ہے۔"

وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آرہے تھے۔ انہیں دیکھ کر ظفر ذرا سا بوکھلا گیا۔

فرزانہ نے سرگوشی میں کہا۔ "آپ میرا نام لے کر چابی مانگ لیں۔"

ظفر نے کہا۔ "چابی دے دیجئے۔ میں فرزانہ کو ہوا خوری کے لئے لے جا رہا ہوں۔"

عظیم صاحب نے دلہن کی طرف دیکھا۔ پھر مطمئن ہو کر چابی دے دی۔ وہ دونوں کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھنے آئے۔ فرزانہ نے بیٹھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔ "یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ میں آپ کے ساتھ کیسے جا سکتی ہوں؟"

ظفر نے کار اسٹارٹ کی پھر اسے ڈرائیو کرتے ہوئے احاطے کے گیٹ پر روک دیا۔ کیونکہ دربان گیٹ کھول رہا تھا۔ ظفر نے کہا۔ "اب تم اتر کر اپنے کمرے میں جاؤ۔ میرے والدین پوچھیں تو کوئی مناسب جواب دے دینا۔"

فرزانہ نے کار سے اتر کر دروازے کو بند کیا۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ وہ کوٹھی کی طرف جانے لگی۔ ادھر سے عظیم صاحب آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے بیگم بھی تھیں۔ انہوں نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹی؟ تم گاڑی سے کیوں اتر گئیں؟"

فرزانہ نے غصے سے انہیں گھور کر دیکھا۔ پھر فنفناتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل کر کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازے کو کھلا رکھا۔ وہ جانتی تھی کہ ساس سسر کو اندیشوں نے گھیر لیا ہے۔ وہ حالات کو سمجھنے اس کے پاس آئیں گے۔ اندازہ درست تھا وہ دونوں کمرے میں آ گئے۔ عظیم صاحب نے دروازے کو بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم ظفر کے ساتھ جا رہی تھیں۔ کیا اس نے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "نہیں، میں نے خود ہی جانے سے انکار کر دیا جہاں وہ گئے ہیں۔ کیا وہاں جا سکتی ہوں؟"

بیگم اور عظیم صاحب نے چور نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر بیگم نے پوچھا۔ "وہ.......... وہ کہاں گیا ہے؟"

وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولی۔ "آدھی رات کے بعد گھر سے چور نکلتے ہیں یا گناہ گار۔ یہ تو آپ جیسے بزرگ سمجھتے ہی ہوں گے۔"

عظیم صاحب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹی! کیا تمہیں بھی معلوم ہو چکا.........؟"

وہ حقارت سے سخت لہجے میں بولی۔ "خبردار! مجھے بیٹی نہ کہنا۔ آپ میں اور ان بدمعاشوں میں کیا فرق ہے جو شریف گھرانے کی لڑکیوں کو عیاشی کے لئے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پھر انہیں کسی کوٹھے میں بٹھا دیتے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کے لئے دو بہوؤں کا انتظام کر دیا ہے کس منہ سے آپ مجھے بیٹی کہتے ہیں؟"

عظیم صاحب نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ جیسے ایک بہو تھوک رہی ہو اور وہ بچاؤ کے لئے منہ چھپا رہے ہوں۔ ندامت ایسی تھی کہ وہ بہو کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ وہاں سے مجرم کی طرح بھاگ جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے دروازے کی طرف پلٹ کر کہا۔ "آہ بیگم! تم ماں بیٹے کی ضد نے آج مجھے گالی سنائی ہے۔ یہ تمہاری ضد تھی کہ عشرت کے مقابلے میں تمہاری اپنی پسند کی بہو آئے گی۔ ایسی ضد کرتے وقت تم نے اس بات کی پروا نہیں کی کہ جسے بہو بنا کر لاؤ گی۔ اس کی زندگی تمہارا دیوانہ بیٹا برباد کر دے گا اور ایک سوکن اس بہو کی ساری زندگی کا روگ بن جائے گی۔ یہ ہم سب کی خود غرضی ہے کہ ہم اپنی ضد یا اپنی خوشی کے آگے دوسروں کی بربادی کی پرواہ نہیں کرتے لیکن ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا اس کا رد عمل یہی گالی تھی۔ جو ہمیں ملی۔ آئندہ حالات کے جوتے بھی پڑیں گے، تیار رہو۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلے گئے۔ بیگم اپنی پسند کی بہو کے سامنے اکیلی کھڑی رہ گئی۔ بہو نے نفرت سے پوچھا۔ "میرا منہ کیا تک رہی ہیں۔ کیا ابھی کچھ کہنے کے لئے باقی رہ گیا ہے؟"

بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا.......... کیا تم اپنے میکے والوں کو یہ باتیں بتاؤ گی؟"

"نہیں تو کیا چھپاؤں گی؟ ذرا صبح ہونے دیجئے۔ پھر میں دنیا والوں کو بتاؤں گی کہ آپ جیسے شریف لوگ دوسرے شریف لوگوں کو کیسے دھوکہ دیتے ہیں۔ میرے والدین اور میرے خاندان والے آپ سے میری بربادی کا انتقام لیں گے۔ آپ لوگوں کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھیں گے۔"

بیگم نے عاجزی سے کہا۔ "تم اس گھر کی بہو بن چکی ہو۔ اب ظفر کی اور اس خاندان کی بدنامی تمہاری بدنامی ہوگی۔ تم غصہ تھوک کر ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔"

"آپ نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ بہو کو اس کے مجازی خدا کی عزت کا واسطہ دیں گی اور وہ آپ کے جھوٹ اور فریب کو برداشت کرکے حالات کے سامنے سر جھکالے گی لیکن میں اور قسم کی لڑکی ہوں اپنے دشمنوں کو معاف کرنا نہیں جانتی۔"

"دلہن! اب ہماری عزت' نیک نامی اور اس گھر کی خوشیاں تمہارے ہی رحم وکرم پر ہیں۔ میں تو آخر وقت تک سمجھاؤں گی کہ ہماری عزت رکھ لو۔ اگر تم نہیں مانو گی تو ہم تمہاری طرف سے لائی ہوئی بدنامیاں برداشت کر ہی لیں گے۔ جب افتاد آپڑے تو انسان کو برداشت کرنا آ ہی جاتا ہے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ "ہاں' انسان ڈھیٹ بن جائے تو ہر طرح کی بے عزتی برداشت کرلیتا ہے۔ مگر ماں کی ممتا اپنے بچے کو عذاب سہتے دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتی۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ جھوٹ بول کر دھوکہ دے کر نکاح پڑھوانا کتنا بڑا جرم ہے۔ نکاح نامے کی خانہ پُری کے وقت یہ لکھنا پڑتا ہے کہ لڑکے کی شادی پہلے ہوچکی ہے یا وہ کنوارہ ہے؟ آپ لوگوں نے ظفر کو کنوارہ لکھوایا ہے۔ جبکہ وہ شادی شدہ ہے۔ آپ نے یہ بھی سنا ہوگا اور اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ.......... حکومت ایسے لوگوں کو کوڑے لگاتی ہے' جو مذہب کی آڑلے کر فریب دیتے ہیں۔ آپ کے بیٹے کو کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ بیس کوڑے ضرور لگیں گے۔"

بیگم خوف سے تھر تھراگئیں۔ ایک دم سے دونوں ہاتھ جوڑ کر فرزانہ کے قریب

آئیں۔ گڑگڑا کر بولیں۔ "نہیں' بیٹی نہیں۔ اتنا بڑا قدم نہ اٹھانا میرے بیٹے کو ایک کوڑا بھی لگے گا تو میں مرجاؤں گی۔ مرکر بھی میری روح کو سکون نہیں ملے گا۔ تم مجھے جو چاہو سزا دو۔ مگر کوئی قانونی کارروائی نہ کرنا یہ گھر تمہارا ہے۔ چاہو تو ہمیں یہاں سے نکال دو۔ یا جو بات چاہو ہم سے منوالو۔ ہم انکار نہیں کریں گے۔"

فرزانہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنی ساس کو دیکھا۔ پھر اس سے دور جاکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اس نے کہا۔ "میں اپنی ایک بات منواؤں گی تاکہ آپ لوگ آئندہ میری بربادی کا سامان نہ کرسکیں۔ آئندہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میرے شوہر آپ لوگوں کے رحم وکرم پر اس گھر میں رہیں گے تو میرے خلاف آپ لوگوں کی سازشوں میں پھر شریک ہوں گے۔"

"بیٹی! میں قسم کھاتی ہوں کہ.........."

وہ جھڑک کر بولی۔ "مجھے بیٹی مت کہئے۔ میں آپ کی قسم کا بھی اعتبار نہیں کروں گی۔ مجھے اس بات کی ضمانت چاہئے کہ میرے شوہر آپ لوگوں کے محتاج نہیں رہیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے اندر آپ کے شوہر کا کاروبار میرے شوہر کے نام منتقل ہوجائے۔ میرے شوہر آپ کے بیٹے ہیں اس لئے آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس کاروبار میں آپ کے شوہر کا تھوڑا سا مناسب حصہ ہوگا تاکہ آپ لوگ ہمارے محتاج نہ رہیں یہ میں انصاف کی بات کر رہی ہوں۔ میرا تحفظ اسی میں ہے اگر کل ایسا نہ ہوا تو پرسوں میں عدالتی کارروائی شروع کردوں گی۔"

بیگم جلدی سے راضی ہوکر سرہلاتے ہوئے بولیں۔ "ٹھیک ہے۔ میں ابھی جاکر ظفر کے ابو سے بات کرتی ہوں۔ وہ اس خاندان کی عزت رکھنے کے لئے' یعنی کہ میرا مطلب ہے کہ تمہاری خوشی کے لئے ضرور راضی ہوجائیں گے۔"

وہ پلٹ کر جانے لگیں۔ فرزانہ نے آواز دی۔ "ٹھہرئیے! میری طرف دیکھئے۔"

وہ رک کر اسے دیکھنے لگیں۔ بہو نے پوچھا۔ "اتنی رات کو بھی آپ کے ہونٹوں پر

سرخی اور آنکھوں میں کاجل ہے۔ کیا آپ ہمیشہ میک اپ میں رہتی ہیں۔؟"

"آں' ہاں!" وہ اپنے چہرے کو چھو کر بولیں۔ "سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔"

"کوئی ضروری نہیں ہے۔ میری امی ایسا نہیں کرتیں۔ ہماری ماؤں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بڑھاپے میں اولاد کے سامنے میک اپ کریں اور جوان چھوکریوں کی طرح اتراتی پھریں۔ آئندہ میں اس طرح کا میک اپ نہ دیکھوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولیں۔ "مم.......... مگر اونچی سوسائٹی میں سب ہی عمر والی عورتیں ایسا کرتی ہیں۔ دلہن! میرے ایسا کرنے سے تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔"

"صرف مجھے نہیں' میرے ملک کی تہذیب کو بھی نقصان پہنچے گا.......... بزرگ خواتین ہر حال میں محترم ہوتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ بالوں میں خضاب لگائیں اور گہرے میک اپ کے ذریعے اپنے بڑھاپے کو چھپائیں۔ بڑھاپے کی عظمت اسی میں ہے کہ بال چاندی جیسے ہوں۔ چہرے پر غم کے گہرے نشانات ہوں اور آنکھوں میں زندگی کے ایک ایک تجربے کی گہرائی ہو۔ ایسا ہو تو بچے نظریں جھکا کے رہتے ہیں۔ چونکہ ایسا نہیں ہوتا اس لئے نئی نسل گستاخ ہوتی جا رہی ہے۔"

بیگم سختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ اس سے بحث نہیں کر سکتی تھیں۔ اپنی عادت کے مطابق لڑ نہیں سکتی تھیں۔ وہ مجبوراً سر جھکا کر بہو کے کمرے سے باہر آ گئیں۔

☆------☆------☆

عشرت نے بڑی ذہانت سے کام لیا تھا کہ پہلے ہی اپنا نکاح پڑھوا لیا تھا۔ اگر وہ ایک دن کی بھی دیر کرتی تو فرزانہ اپنے ساس سسر کی طرح ظفر کو بھی ایسے داؤ پیچ میں لاتی کہ وہ عشرت سے شادی کرنے یا اس کا دیوانہ بن کر رہنے سے باز آ جاتا۔

عشرت دوپہر سے ہوٹل کے کمرے میں تنہا تھی۔ اس نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر

خود ہی ظفر کو وہاں سے رخصت کر دیا تھا۔ پھر اس کے جانے کے بعد خود ہی تڑپتی اور روتی رہی تھی۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد ظفر کے راز دار دوست کی بیوی نے اسے فون پر بتایا تھا کہ ظفر دلہا بنا ہوا رشتے داروں میں کچھ اس طرح گھرا ہوا ہے کہ فون پر بھی اس سے رابطہ قائم نہ کر سکے گا۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر ظفر کے تصور میں کھو گئی تھی طرح طرح کی باتیں اس کے دماغ میں آ رہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ اگر ابھی وہ اپنا دوسرا نکاح پڑھوانے جائے گی یا ایک اور مرد سے راہ رسم بڑھانے جائے گی تو یہ بے غیرتی ہوگی لیکن مردوں کے لئے یہی بات غیرت اور مردانگی کا سبب بن جاتی ہے۔ ایک کے بعد دوسری عورت کے ساتھ شادی رچانا کوئی بے شرمی نہیں ہوتی کمال تو یہ ہے کہ اس کی یا فرزانہ جیسی عورتیں خود ہی اپنے مردوں کو چھوٹ دے دیتی ہیں خواہ مجبوریاں کچھ بھی ہوں۔ ہر گناہ' ہر جرم یا ہر بے غیرتی کے پیچھے کوئی نہ کوئی جذباتی مجبوری تو ہوتی ہی ہے۔

ہوٹل کے کمرے میں تنہا سوچتے سوچتے رات آ گئی۔ سہاگ کی پہلی رات اپنا جیون ساتھی ہوتے ہوئے بھی نہ ہو تو وہ سہاگن ہی اپنے اندر کے کرب کو سمجھتی ہے۔ کوئی دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ رات کو ساڑھے دس بجے ٹیلی فون پر ظفر کی آواز سنائی دی۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عشرت کے لئے کتنا بے چین ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ دوسری دلہن کو چھوڑ کر جلد از جلد اس کے پاس آنے کی کوشش کرے گا لیکن ایسے ہی وقت ریسیور پر اس کے والدین کی آوازیں سنائی دیں۔ عشرت نے عظیم صاحب کی دھمکی بھی سنی کہ اگر ظفر فرزانہ کو چھوڑ کر آج رات کہیں جائے گا تو وہ خودکشی کر لیں گے۔

عشرت تو پہلے بھی یہ نہیں چاہتی تھی کہ ظفر اس کے پاس آئے آج وہ اس کی اہم ضرورت بن کر تنہا رہنا چاہتی تھی۔ اس نے ٹیلی فون پر ظفر کو ایک بار پھر اپنے پاس آنے سے منع کیا اور رابطہ ختم کر دیا۔ پھر.......... روتے ہوئے بستر پر اوندھے منہ گر پڑی تھی۔

کیا کرے سوکن سے زبردست مقابلہ تھا۔ اپنی کشش کو ہمیشہ برقرار رکھنا تھا اور آئندہ

آزماتے رہنا تھا کہ اُدھر جاتا ہے یا دیکھو اِدھر پروانہ آتا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ بارش میں بھیگنے والا اور بیماریوں میں اُڑنے والا پروانہ اسی کی طرف آئے گا۔ سارے زمانے کی مخالفتیں مول لے کر بھی آئے گا۔ اس نے جی بھر کر رونے کے بعد آنکھیں پونچھیں۔ پھر ٹیلی فون کے ذریعے ہوٹل کے منیجر سے رابطہ قائم کیا اور اسے بتایا کہ وہ خواب آور دوا کھا کر سو رہی ہے لہٰذا کوئی بھی اس سے ملنے آئے تو اس سے صبح تک کے لئے معذرت چاہ لی جائے۔ خواہ آنے والا اس کا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ ہدایات دینے کے بعد عشرت نے کریڈل پر ہاتھ رکھ کر ٹیلی فون کے رابطے کو ختم کردیا اور ریسیور کو میز پر رکھ دیا۔ تاکہ اب فون کے ذریعے بھی کسی سے کوئی بات نہ ہو۔ کمرے کا دروازہ پہلے ہی اندر سے بند تھا۔ اسے جس کی ضرورت تھی' اسی کے لئے سارے راستے بند کردیئے تھے اور جس کے لئے رکاوٹیں تھیں' اسی کا دل سے انتظار بھی تھا کہ وہ آئے ضرور آئے اور اعتماد کا بھرم رہ جائے کہ دیوانہ ہر حال میں آتا ہے۔

دو ڈھائی گھنٹے تک وہ قیامت کے انتظار میں مبتلا رہی۔ ہر لمحے یہ خیال ستاتا رہا کہ اس کے دیوانے پر نئی دلہن کا جادو چل گیا ہوگا۔ تقریباً رات کے پونے دو بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ اچھل کر بستر پر اٹھ بیٹھی۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے ظفر کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ ! "عشرت اگر تم جاگ رہی ہو تو دروازہ کھول دو یہاں اتنی رات کو دروازے پر دستک دینے کی اجازت نہیں ہے۔ پلیز بیدار ہو جاؤ اور دروازہ کھول دو۔"

وہ بستر پر بیٹھی رہی۔ نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ دل بھی ادھر کھنچا جا رہا تھا۔ یہ اس کی جیت تھی۔ ظفر دوسری دلہن کو چھوڑ کر اس کے پاس آیا تھا۔ اب آزمانے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ اسے اٹھ کر دروازہ کھول دینا چاہئے تھا مگر وہ بیٹھی رہی۔ بات محض آزمائش کی نہیں تھی۔ یہ ضد بھی تھی کہ ایک دلہن کے مقابلے میں دوسری کو نئی' اچھوتی اور پُرکشش بن کر رہنا ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے وجود کو آسمان

بنا لیتی' جسے ظفر دیکھ سکے' چھو نہ سکے۔

پھر ایک بار دستک ہوئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر دروازے کی طرف دبے قدموں بڑھنے لگی۔ اس کے اندر بری طرح کشمکش جاری تھی دروازے کی دوسری طرف سے ہوٹل کے منیجر کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "مسٹر ظفر! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کی وائف خواب آور دوا کے زیر اثر ہیں۔ وہ بیدار نہیں ہو سکیں گی۔ پلیز اب دستک نہ دیں۔ واپس چلیں۔ یہ دیکھئے دو بج رہے ہیں.......... پلیز!"

دوسری طرف خاموشی چھاگئی۔ وہ دروازے سے لگ کر دم سادھے کھڑی تھی۔ کوئی آواز اندر نہیں آرہی تھی۔ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی تک انتظار میں کھڑا ہوا ہے یا وہاں سے جاچکا ہے۔ ایک بار دل کہتا تھا کہ وہ موجود ہے۔ دوسری بار وہی دل کہتا تھا کہ وہ مایوس ہو کر چلا گیا ہے۔ دھڑکنوں کی دھک دھک کہتی تھی کہ۔ "ہے نہیں ہے۔ ہے.......... نہیں ہے۔"

آخر باہر گہرے طویل سناٹے نے سمجھا دیا کہ وہ جاچکا ہے۔ تب اس کے سینے کے اندر سے آنسوؤں کی آندھی چلی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ کو دبا کر ماتمی چیخ کو روکتے ہوئے دوڑتے ہوئے سہاگ کی سیج پر آکر گر پڑی۔ جو لوگ فطرت کے خلاف لڑتے ہیں وہ اوندھے منہ گرتے رہتے ہیں اور عشرت تو اپنی جوانی کے بارہ سال سے ہر رات فطرت کے خلاف لڑتی آئی تھی۔ اس وقت لڑنا حیا اور تہذیب کے مطابق تھا۔ اب سہاگن بن کر اس لڑائی کو جاری رکھنا تہذیب کے خلاف بھی تھا اور سراسر حماقت بھی تھی لیکن ایک سوکن دوسری سوکن کے خلاف محاذ بنا کر سب کچھ بھول جاتی ہے صرف لڑائی کو یاد رکھتی ہے۔

منیجر کے سامنے ظفر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دو پیاری پیاری نئی نویلی دلہنوں کے درمیان چکرا رہا تھا۔ اس لئے اب اس کا سر بھی چکرانے لگا۔ عشرت اپنے وجود کے کتنے ہی حصوں سے یاد آ آکر اس کے جذبات کو چھیڑ رہی تھی۔

لپلپا رہی تھی اور دور سے ٹھینگا دکھا رہی تھی۔

یوں عشرت اپنے محبوب کو اور زیادہ دیوانہ بنا رہی تھی۔ مگر ایک قیامت تھی وہ یہ کہ آج فرزانہ نے بھی خود کو ایک دلچسپ اور معلوماتی کتاب کا پیش لفظ بنا کر پیش کیا تھا۔ ظفر کے دماغ کے چور گوشے میں وہ کتاب محفوظ تھی۔ وہ اپنی محبت اور دیوانگی سے عشرت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اب محض دیوانگی نہیں تھی کچھ ایسے شدید جذبے تھے جو فرزانہ کو بھی اہم بنا رہے تھے۔ دونوں ہی اپنی تھیں۔ ایک نہ سہی دوسری اس کی پریشانیوں کا علاج کر سکتی تھی۔ ظفر ایک طرف سے مایوس ہو کر دوسری طرف سوچ رہا تھا یعنی فرزانہ اپنے طور پر عشرت کے جادو کا توڑ کر چکی تھی۔

منیجر نے ہمدردی سے کہا۔ "ظفر صاحب! ہم تو اس کمرے میں ٹیلی فون کر کے بھی دیکھ چکے ہیں۔ یقیناً آپ کی وائف نے سونے سے پہلے ریسیور کو کریڈل سے الگ رکھ دیا ہے۔ ورنہ وہ ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر بیدار ہو جاتیں اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ یہاں صبح تک انتظار کریں گے۔"

"نہیں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں صبح یہاں آؤں گا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا ہوٹل کے باہر آیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ عشرت مایوس ہو کر خواب آور گولیاں کھا کر سو گئی ہے۔ اب سونے والی کے متعلق صبح تک سوچنا بے کار تھا۔ اس لئے اس کے دماغ میں فرزانہ جاگ رہی تھی۔ اس نے کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ پھر تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے دوسری دلہن کی طرف دوڑنے لگا۔

☆======☆======☆

وہ نئی نویلی دلہن ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں جاگ رہی تھی۔ سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سہاگ کی سیج پر ساتھی کے بغیر نیند نہیں آتی۔ خواہ اس سیج کو ایئر کنڈیشنر سے کتنا ہی ٹھنڈا کر دیا جائے۔ جذبے ٹھنڈے نہیں پڑتے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھی اضطرابی جذبوں سے لڑ رہی تھی اور سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اپنے شوہر پر مکمل قبضہ

کس طرح جمایا جا سکتا ہے؟

وہ سمجھ گئی تھی کہ عشرت بہت چالاک ہے۔ پہلے نمکین کھانے کے لئے یہاں بھیج دیا تھا۔ خود میٹھی ڈش بن گئی تھی۔ جواباً فرزانہ نے بھی یہی حربہ آزمایا تھا اور اب یقین کر رہی تھی کہ جوابی حربہ کام آ گیا ہے۔ تب ہی دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ سمجھی کہ پھر ساس صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ وہ غصے سے دروازے کے پاس آ کر بولی۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں۔" ظفر کی دھیمی آواز سنائی دی۔ فرزانہ نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا۔ اسے حیرانی سے اور سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا جیسے ہوٹل سے چاروں شانے چت ہو کر آ رہا ہو۔ فرزانہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ اپنے گلے سے سینے تک ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "پ.......... پیاس لگ رہی ہے۔"

فرزانہ فریج کے پاس گئی۔ ایک گلاس میں پانی بھرنے لگی۔ ظفر نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا پھر فرزانہ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ قریب پہنچ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا۔ فرزانہ بھرا ہوا گلاس پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی "آرام سے بیٹھ جائیں۔ کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہئے۔"

وہ ایک قریبی صوفے پر بیٹھ گیا۔ فرزانہ نے ٹھنڈے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک گھونٹ پی کر بولا۔ "پانی ٹھنڈا نہیں ہے۔"

فرزانہ نے کہا۔ "پانی تو بالکل برف ہو رہا ہے۔ اور کتنی ٹھنڈک چاہئے؟"

اس نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ فرزانہ نے ہاتھ بڑھا کر گلاس کو لینا چاہا۔ ظفر نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا کہا۔ "آؤ! میرے پاس بیٹھو۔"

وہ پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ اس کے پاس گئے تھے۔ اتنی جلدی واپس کیسے

آ گئے؟"

وہ گلاس کو نیچے قالین پر رکھتے ہوئے بولا۔ "وہ مایوس ہوگئی تھی کہ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ اس لئے خواب آور دوا کھا کر سو گئی ہے۔"

"آخر اس نے کتنی مقدار میں دوا کھائی ہے کہ آپ اسے جگا نہ سکے؟"

"اس کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ اتنی رات کو ہوٹل کے دروازے پر دستک دینے کی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے کمروں کے مسافروں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔"

"آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ دوا کے زیر اثر سو رہی ہے؟"

"اس نے سونے سے پہلے ہوٹل کے منیجر کو ہدایت دی تھی کہ وہ خواب آور دوا کھانے کے بعد سوئے گی۔ لہٰذا صبح تک ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اس نے سونے سے پہلے فون کا ریسیور بھی کریڈل سے الگ رکھ دیا تھا۔"

"بڑی پلاننگ ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔ "میں سمجھ گئی۔ آپ کی وہ بہت بڑی منصوبہ باز ہے۔ آپ نے اس کے پیچھے فیکٹری تک بھاگتے بھاگتے اس پر یہ ثابت کردیا ہے کہ آپ ان مردوں میں سے ہیں جو اپنی عورت کی چوٹی کے پیچھے لٹکتے رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ سہاگ رات کو بھی اپنے پیچھے دوڑا رہی ہے۔"

"نہیں فرزانہ! وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہی ہے؟"

"آپ مجھ سے زیادہ عورت کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہر عورت اپنے مرد کا انتظار کرتی ہے۔ وہ نہ آنے والا ہو' تب بھی ایک موہوم سی امید ہوتی ہے کہ شاید آجائے۔ اسی امید پر عشرت فون کے ریسیور کو برابر کریڈل پر رکھتی۔ تاکہ آپ آئیں تو فون کی گھنٹی کے ذریعے بیدار کردیں لیکن اسے تو یقین تھا کہ آپ آئیں گے اور وہ دوڑائے گی۔ لہٰذا وہ سارے جتن کرکے دوڑا رہی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو۔ اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس واپس آگیا ہوں۔"

وہ سمٹ کر اس کے شانے پر سر رکھ کر آہستگی سے بولی۔ "اچھا ہوا' آپ آگئے۔ تین بج رہے ہیں۔ آپ تھک گئے ہوں گے بستر پر آرام سے سوجایئے۔"

وہ خوشی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آؤ چلیں۔"

وہ صوفے پر پہلو بدل کر بولی۔ "میں یہاں سوجاؤں گی۔"

ظفر نے اس کے بازوؤں کو تھام لیا۔ اسے صوفے پر سے اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ہم غیر نہیں ہیں کہ الگ سوئیں گے۔"

وہ آہستگی سے اپنے بازوؤں کو چھڑا کر الگ ہوگئی۔ منہ پھیر کر بولی۔ "عشرت بھی غیر نہیں ہے۔"

"مگر وہ سو رہی ہے۔"

"میں بھی خوشی سے نہیں جاگ رہی ہوں۔ وہاں اس کی آنکھیں سو رہی ہوں گی۔ یہاں میرے ارمان سو چکے ہیں۔"

"میں محبت سے جگاؤں گا۔"

"اسی محبت سے آپ اسے جاکر جگا سکتے ہیں۔"

"فرزانہ! تم بڑے سلیقے کے ساتھ ازدواجی رشتے سے انکار کر رہی ہو۔"

"انکار ہوتا تو ابھی میں اپنے میکے میں ہوتی۔"

"پھر یہ انداز کیا ہے؟"

"میں محبت کے لئے آپ کے گھر آئی ہوں۔ مگر آپ محبت سے نہیں ضرورت سے آئے ہیں۔"

"ایں۔" وہ گڑ بڑا گیا۔ چوری پکڑی گئی تھی۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بولا۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں محبت سے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔ ہم یہاں بیٹھ کر محبت کی باتیں کریں۔ پہلے محبت میں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہئے۔ ایک دوسرے کا ہم مزاج بننے کے لئے کچھ وقت لگتا ہے۔ پھر ہم مزاج بننے

کے بعد رشتے قائم ہوتے ہیں۔ ایسے رشتے پائیدار ہوتے ہیں اور جو رشتے محض ضرورت کے تحت ہوں' وہ صبح ہونے تک خواب کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔"

ظفر کے دماغ میں جیسے گرمی بھر گئی۔ وہ جھنجلا کر بولا۔ "اگر تمہیں ہم مزاج بننے کے لئے وقت ضائع ہی کرنا تھا تو یہ نکاح سے پہلے کیا ہوتا۔ اب تمہیں یہ بات کیوں سوجھ رہی ہے؟"

"اس لئے کہ میں نے آپ کے اور عشرت کے ہم مزاج ہونے کی طویل روداد آپ ہی کی زبان سے سنی ہے۔ ایک طویل عرصے تک آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے رہے ہیں۔ وہ آپ کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے۔ آپ انصاف کریں اور مجھے بھی آپ اپنے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے اتنے ہی مواقع دیں۔ آپ پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ دونوں کے ساتھ انصاف کریں گے۔"

"انصاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس سے بھی چلا جاؤں۔ نہ گھر کا رہوں اور نہ گھاٹ کا۔ کیا تم میرے جذبات کو نہیں سمجھ رہی ہو؟ کیا تم میرے ساتھ انصاف کر رہی ہو؟"

"آپ انصاف کی بات کرتے ہیں۔ میں تو آپ کے حکم پر جان بھی دے سکتی ہوں لیکن آپ کی نیت کو سمجھنے کے بعد' اور آپ کی نظروں میں اپنی اہمیت کو تولنے کے بعد۔ ابھی میری اہمیت کیا ہے؟ کیا میں حمام کا تولیہ ہوں کہ عشرت کا آنچل نہ ملا تو پسینہ پونچھنے کے لئے میرے پاس آگئے؟ مجھے سمجھئے' میں ایک شریف گھرانے سے آئی ہوں۔ میری اپنی بھی کوئی عزت ہے' کوئی مقام ہے۔ اگر میں اپنے مقام سے گر کر آپ کی بات مان لوں گی تو مجھ میں اور ایک بازاری عورت میں کیا فرق رہے گا؟"

ظفر کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں کے سامنے کمرے کے در و دیوار گھوم رہے تھے۔ فرزانہ کا حسین سراپا ڈول رہا تھا۔ اس کے وجود کے اندر ایسی گرم آندھی چل رہی تھی کہ کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پھولوں کی سیج کی طرف بڑھا مگر

قریب پہنچتے ہی چکرا کر پلنگ کے سرے سے ٹکرا کر قالین پر گر پڑا۔ فرزانہ دوڑ کر اس کے پاس آئی۔ قالین پر بیٹھ کر اس پر جھک گئی۔ اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پکارنے لگی۔ تب پتہ چلا کہ اس کا بدن گرم ہے اور وہ بخار میں پھنک رہا ہے۔

وہ پریشان ہو گئی کہ کیا کرے؟ کس طرح سے اٹھا کر بستر پر پہنچائے پھر وہ جلدی سے اٹھ کر تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر اس کے والدین کو بلانے چلی گئی۔ ابھی وہ دو بیویوں کا کنوارہ دولہا تھا۔ ابھی اس کی تیمارداری کے لئے ماں باپ ہی مناسب تھے۔

☆======☆======☆

سہاگ رات گزر گئی۔ عشرت پھولوں کی سُونی سیج پر چاروں شانے چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ کمرے میں صبح کا اجالا جھانک رہا تھا۔ عشرت کو یقین نہیں آرہا تھا کہ قیامت کی ایک رات گزر گئی ہے۔ تمام رات اپنی آرزوؤں کو کفن پہناتے رہنے کے بعد اب اس کے چہرے پر مُردنی چھائی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ایسی ویرانی جو غم اور خوشی کے بیچ ہوتی ہے۔ یعنی جب آنکھوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے سہاگ کی خوشی میں آنسو نکالنا چاہئے یا خون کے آنسو رونا چاہئے۔ جب سمجھ میں کچھ نہیں آتا تو آنکھیں ایسی ہی ویران ہو جاتی ہیں۔

اس نے بستر سے اٹھ کر سب سے پہلے ریسیور کو کریڈل پر رکھا۔ ظفر کی آواز سننے کا پہلا ذریعہ وہی تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق ظفر نئی دلہن کے ساتھ خواب گاہ میں ہو گا۔ اگر آنکھ لگ گئی ہو گی تو آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اسے کال کرے گا۔ ریسیور رکھنے کے بعد اس نے آئینہ دیکھا۔ آئینے میں اسے ایسی سہاگن نظر آئی جس کا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ صرف آنکھوں میں دوشیزگی کی حیا رہ گئی تھی۔

اس نے سوٹ کیس سے بڑا تولیہ نکالا پھر سرہانے سے ٹیلی فون اٹھا کر باتھ روم میں لے گئی۔ وہاں گھنٹہ بھر تک رہی۔ ہر لمحے فون کی گھنٹی بجنے کا انتظار کرتی رہی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک خوبصورت سا شلوار سوٹ پہنا۔ اس دوران وہ

اپنے آپ کو سمجھاتی رہی کہ ظفر سو رہا ہوگا بیدار ہوتے ہی پہلے فون پر اسے پکارے گا۔ وہ وقت گزارنے کے لئے آئینے کے سامنے میک اپ کرنے بیٹھ گئی۔

اس نے وقت گزارنے کے لئے ناشتہ بھی کرلیا۔ گھڑی نے دس بجا دیئے لیکن فون کی گھنٹی نہیں بجی۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی، کبھی صوفے پر بیٹھنے لگی، کبھی اٹھنے لگی اور کبھی اندیشے جنم لینے لگے کہ وہ ادھر طلسمی شباب سے مسحور ہو کر اسے بھلا چکا ہے۔ اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ جو ہر صبح نو بجنے سے پہلے فٹ پاتھ پر پہنچ جاتا تھا۔ وہ آج صبح دلہن کے کمرے میں نہیں پہنچ سکا تھا وہ ٹیلی فون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو ٹیلیفون نمبر بتایا پھر انتظار کرنے لگی۔

دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوگیا۔ کسی بچی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو! کون ہے؟ میں گڑیا بول رہی ہوں۔"

عشرت نے کہا۔ "میں ظفر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کون ظفر صاحب؟ اچھا جو کل دولہا بنے تھے؟"

"ہاں! میں ان ہی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

گڑیا نے کہا۔ "آپ کیا باتیں کریں گی؟ میری امی میری خالہ امی سے کہہ رہی تھیں کہ دولہا میاں کے ساتھ کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ بے چارے نے کل سر پر سہرا باندھا تھا۔ آج سر پر برف کی تھیلی رکھی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟ برف کی تھیلی کیوں رکھی ہے؟"

"انہیں بہت زور کا بخار ہے نا۔"

"بخار ہے؟ کب سے؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے تو صبح اٹھ کے سنا ہے۔ میری امی اور خالہ امی باتیں کر رہی تھیں کہ دولہا میاں کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔ انہیں گھونگھٹ کی ہوا نہیں لگی ہے۔ میں بہت دیر سے سوچ رہی ہوں گھونگھٹ میں تو ہوا جاتی نہیں ہے۔ پھر بھلا کسی کو

ہوا کیسے لگے گی؟ کیا آپ بتا سکتی ہیں؟"

عشرت نے اسے سمجھایا۔ "بچوں کو ایسی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے۔ کاش تمہاری امی اور خالہ امی بھی سمجھتیں کہ بچوں کے سامنے محتاط ہو کر گفتگو کرنا چاہئے۔ بہرحال تم بہت اچھی گڑیا ہو۔ یہ بتاؤ کہ کیا اب بھی انہیں بخار ہے؟"

"پتہ نہیں۔ بچوں کو اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ کیا میں اپنی امی سے پوچھ کر بتاؤں۔"

"ہاں ہو سکے تو اپنی امی کو فون پر بلاؤ۔"

"ابھی بلاتی ہوں.......... امی.......... امی ذرا ادھر آجائیں۔"

چند لمحوں کے بعد اس کی امی کی آواز سنائی دی۔ "ارے گڑیا! یہ فون پر کس سے باتیں کر رہی ہو؟"

"امی ایک بہت ہی اچھی آنٹی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہے.......... یہ لیجئے۔"

ریسیور لے کر ہیلو کہا گیا۔ عشرت نے پوچھا۔ "ہیلو کیا ظفر صاحب بیمار ہیں؟"

"ہاں، مگر تم کون ہو؟"

عشرت نے پوچھا۔ "کیا آپ گڑیا کے سامنے اپنی بہن سے کہہ رہی تھیں کہ دولہا میاں کے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے اور انہیں گھونگھٹ کی ہوا نہیں ملی ہے۔"

"ہاں۔ تو میں نے کون سا جھوٹ کہا ہے۔"

"لیکن آپ بزرگوں کو بچوں کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔"

"اے، تم کون ہو ہمیں نصیحت کرنے والی۔ تمہارا ظفر سے کیا رشتہ ہے؟"

"میں ان کی دلہن بول رہی ہوں۔"

وہ جلدی سے نرم پڑتے ہوئے چہک کر بولیں۔ "اے فرزانہ بیٹی یہ تم ہو میں سمجھ رہی تھی کہ تم ظفر کے کمرے میں ہو۔ اے تم باہر کب گئیں؟ اور کہاں سے بول رہی ہو؟"

"آپ یہ بتائیں کہ اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

"اے بیٹی! میں تو آدھ گھنٹہ پہلے تمہارے کمرے میں گئی تھی۔ تم اور تمہاری ساس وہاں موجود تھیں۔ وہ آنکھیں بند کئے بخار کی شدت سے بڑبڑا رہا تھا۔ کچھ اس رت.........اس رت کہہ رہا تھا۔"

عشرت کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ خاتون کہہ رہی تھیں۔ "میرا خیال ہے کہ وہ "اس رت" نہیں "اس رات" کہہ رہا تھا۔ اسی رات کی بات کر رہا تھا جو گزر گئی ہے۔ دیکھو فرزانہ بیٹی! میں تمہاری ماں کے برابر ہوں۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ فون پر چپکے سے بتادو.........میں تمہیں......... ہیلو......... ہیلو........."

خاتون نے اپنے ہاتھ کے ریسیور کو دیکھا۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم کردیا گیا تھا۔ وہ ریسیور رکھتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔ "اونہہ! دلہن بیگم کے تو مزاج ہی نہیں ملتے۔ توبہ' یہ آج کل کی لڑکیاں شادی کی پہلی صبح گھر سے اکیلی نکل جاتی ہیں اور باہر جاکر فون پر اپنے میاں کی خیریت پوچھتی ہیں۔"

وہ ریسیور رکھ کر کمرے سے باہر جارہی تھیں کہ ایک دم سے ٹھٹک گئیں۔ رات کی دلہن فرزانہ کمرے میں داخل ہوکر ٹیلی فون کی طرف آرہی تھی۔ خاتون بڑی شدت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی کہ یہ دلہن یہاں۔ تو وہاں کون سی دلہن بول رہی تھی۔ ٹیلی فون پر کوئی لڑکی خود کو ظفر کی دلہن کیوں کہہ رہی تھی۔

فرزانہ نے ریسیور اٹھاکر نمبر ڈائل کرتے ہوئے خاتون سے پوچھا۔ "یہ آپ مجھے گھور کر کیوں دیکھ رہی ہیں؟"

"اے بیٹی! کیا بتاؤں۔ تمہارے یہاں آنے سے چند سیکنڈ پہلے میں فون پر جیسے تم سے باتیں کررہی تھی۔"

"مجھ سے؟"

"ہاں۔ وہ بات کرنے والی خود کو ظفر کی دلہن کہہ رہی تھی۔ میں سمجھی کہ تم ہو۔"

فرزانہ نے ریسیور کو ایک جھٹکے سے کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ ظفر کی تیمار داری کے دوران عشرت کو ذرا بھول گئی تھی اس نے خاتون سے پوچھا۔ "خود کو دلہن کہنے والی نے کیا اپنا نام بتایا تھا؟"

"نہیں۔ میں خود اسے فرزانہ کہہ رہی تھی اور وہ فرزانہ بن کر ظفر کا حال پوچھے جا رہی تھی۔"

فرزانہ نے دل ہی دل میں کہا۔ "کم بخت بہت چالاک ہے۔ میرے نام کی آڑ لے کر معلوم کرلیا کہ ظفر بیمار ہے۔ اب وہ یہاں ضرور آئے گی۔ ایسے وقت عورت کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتی ہے۔ میں اسے نہیں روکوں گی۔ یہ میری نادانی ہوگی۔ مجھے دشمنوں سے نمٹنا آتا ہے۔ میں بڑی سہولت سے اس کا سامنا کروں گی۔"

یہ سوچ کر اس نے دوبارہ ریسیور اٹھایا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ خاتون اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ رابطہ قائم ہونے پر فرزانہ نے کہا۔ "ہیلو ڈاکٹر اسلم! میں فرزانہ بول رہی ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ مسز ظفر اقبال........."

دوسری طرف سے ڈاکٹر نے کہا۔ "اوہ فرزانہ! تم اپنے شوہر کے حوالے سے تعارف نہ کراؤ۔ میں نے صبح چار بجے تمہیں ظفر کے سرہانے دیکھا تھا۔ تم اتنی حسین ہو کہ تمہیں ایک بار دیکھ کر پھر کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "ڈاکٹر! یورپ میں لڑکیاں اپنے حسن کی تعریف سن کر خوش ہوتی ہیں اور شکریہ بھی ادا کرتی ہیں۔ مگر یہاں کی لڑکیاں صرف اپنے شوہر کی زبان سے اپنی تعریف سننا پسند کرتی ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "شاید تمہیں نہیں معلوم کہ میں صرف ڈاکٹر نہیں شاعر بھی ہوں اور شاعر کو آج تک کسی نے کسی کے حسن کی تعریف کرنے سے نہیں روکا۔ تم مجھ سے میرا حق نہ چھینو۔ تم ایک بچے کو چاند کی طرف لپکنے سے' ایک نوجوان کو حسن کے پیچھے بھاگنے سے اور ایک بوڑھے کو اپنی گزری ہوئی جوانی کی تعریف کرنے سے نہیں روک سکتیں۔"

"اوہ ڈاکٹر! آپ نے تو مدلل بحث شروع کردی۔ فون کرنے کا مقصد یہ تو نہیں تھا آپ نے کہا تھا کہ میں ایک گھنٹے بعد ظفر کا ٹمپریچر دیکھ کر بتاؤں اس وقت ان کا بخار ایک سو ایک ڈگری ہے۔"

"بخار ابھی اور کم ہوگا۔ میں اپنی دی ہوئی دواؤں کا اثر جانتا ہوں۔ دراصل میں اس بہانے تم سے فون پر باتیں کرنا چاہتا تھا۔ بہت ضروری باتیں' میں عظیم صاحب کا فیملی ڈاکٹر ہوں۔ وہاں کے ایک ایک فرد کی نبض ٹٹول چکا ہوں۔ تمہارے ظفر کی نبض کو تو ٹٹولتا ہی رہتا ہوں۔ صبح وہ بخار میں کیا بڑبڑا رہا تھا؟ تم بھی تو سن رہی تھیں۔ عشرت........ عشرت۔ عشرت........"

فرزانہ نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں عشرت عشرت کہہ رہے تھے پھر؟"

"پھر یہ کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عشرت کس کا نام ہے؟"

"میں جانتی ہوں۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ "ظفر کو ریس کھیلنے کا شوق ہے وہ جس پر رقم لگا کر ہار گئے تھے' ریس کی اس گھوڑی کا نام عشرت ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا۔ وہاں کھڑی ہوئی خاتون نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں تبھی وہ اس رت۔ اس رت کہہ رہا تھا اب پتہ چلا کہ ریس میں ہارنے کے صدمے سے بڑبڑا رہا ہے۔"

فرزانہ خاتون کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کمرے سے باہر آئی اس کے دماغ میں عشرت چبھ رہی تھی اور اس کے اندازے کے مطابق وہ ابھی آنے والی تھی۔ اس کے روبرو آکر راستہ روکنا دانش مندی نہیں تھی۔ یہ بات کبھی ظفر کو معلوم ہوتی تو عشرت مظلوم اور وہ ظالم کہلاتی۔ آنے والی بلا کو بھگانے کے لئے دوسروں سے منتر پڑھائے جاسکتے ہیں۔ وہ اپنی ساس بیگم کے پاس آکر بولی۔ "ابھی مجھے فون پر معلوم ہوا ہے کہ میرے میکے سے کچھ لوگ ظفر کی عیادت کے لئے آرہے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ

باہر لان میں رہیں تاکہ آنے والوں کا استقبال کرسکیں۔"

بیگم پہلے ہی بہو سے سہمی ہوئی تھی۔ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں پھر کوٹھی کے باہر لان کی طرف چلی گئیں۔ فرزانہ کو اطمینان ہوگیا کہ سوکن کے مقابل جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اب وہاں لان میں آنے والی بہو اور ساس کا ٹکراؤ ہوگا اور اس پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔ وہ اس جنگ کا اہتمام کرکے اپنی خواب گاہ میں آئی۔ وہاں ظفر آنکھیں بند کئے سہاگ کی سیج پر پڑا تھا۔ فرزانہ نے قریب پہنچ کر اسے دیکھا۔ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اس کا دھیان کوٹھی کے باہر لگا ہوا تھا۔ اس کے تصور میں عشرت چلی آرہی تھی۔

وہ خواب گاہ میں سکون سے نہ رہ سکی۔ وہاں سے نکل کر زینے کی طرف گئی۔ پھر زینے کے ذریعے اوپری منزل کی بالکونی میں پہنچ گئی۔ وہ ٹھیک وقت پر پہنچی تھی۔ اس نے بالکونی سے دیکھا۔ کوٹھی کے پھاٹک کے سامنے ایک ٹیکسی آکر رکی تھی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا تو ایک متناسب بدن اور درمیانے قد کی دوشیزہ باہر آئی۔ ہلکے رنگ کا شلوار سوٹ اس پر جچ رہا تھا۔ اس کے شانے سے ایک چھوٹا سا شاپنگ بیگ لٹک رہا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ خوب کھل رہا تھا۔ جب وہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کرکے پھاٹک سے احاطے میں داخل ہونے لگی تو اس کی چال سے پتہ چلا کہ وہ کس قدر اسمارٹ ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کی حدود میں داخل ہونے کے باوجود بڑے اعتماد سے قدم بڑھا رہی تھی۔ اس کی چال میں ایسی رعونت اور جوانی کی ایسی دلکشی تھی جسے دیکھ کر معلوم ہوجاتا تھا کہ روز ایک دیوانہ کس طرح عالم بے خودی میں اس کے پیچھے پیچھے سائٹ کے علاقے تک جاتا اور آتا ہوگا۔

بیگم اور عظیم صاحب لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عشرت کو احاطے میں داخل ہوتے دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ عظیم صاحب جلدی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکے۔ بیگم پیچھے رہنے والی نہیں تھی۔ وہ بھی تیر کی طرح آئیں دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ "تم یہاں؟"

عشرت نے کہا۔ "جی ہاں۔ سنا ہے وہ بیمار ہیں؟"

بیگم نے کہا۔ "میرے بیٹے کی بیماری سے تمہیں کیا لینا ہے؟ جاؤ یہاں سے۔"

عظیم صاحب نے ذرا سا ڈانٹ کر کہا۔ "بیگم! سہولت سے بات کرو۔ یا خاموش رہو۔" پھر وہ عشرت سے بولے۔ "دیکھو! ہم تمہارے حقوق کو تسلیم کرتے ہیں۔ تم ظفر کے پاس جاؤ گی تو ہم تمہیں روک نہیں سکیں گے لیکن آج تم اس سے نہ ملو۔"

"کیوں نہ ملوں؟"

"ہم تمہارے بزرگ ہیں۔ تمہیں سوال کرنے کے بجائے ہماری بات مان لینا چاہئے۔"

"جب ہم اپنی بات ماننے کے لئے کہتے ہیں تو اس وقت آپ بزرگ نہیں حاکم بن جاتے ہیں۔ آپ کیسے توقع کرتے ہیں کہ شوہر بیمار ہو اور بیوی تیمارداری نہ کرے اور آپ کے حکم سے اپنے شوہر کو ایک نظر نہ دیکھے۔ کیا آپ کے خاندان میں عورتیں شوہروں کو ہسپتال میں ہی چھوڑ آتی ہیں۔"

بیگم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "اے خبردار! ہمارے خاندان تک نہ پہنچنا۔"

"تم پھر بولیں؟" عظیم صاحب نے غصے سے بیگم کو آنکھیں دکھائیں پھر عشرت سے کہا۔ "ہم پوری توجہ سے اس کی تیمارداری میں مصروف ہیں۔ تمہارا راستہ روک کر ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا لیکن ابھی فرزانہ کے میکے والے آ رہے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر پوچھا جائے گا کہ کون ہے؟ ظفر کی کیا لگتی ہے؟"

"کوئی پوچھے گا تو میں جواب دوں گی۔ ہم نے نکاح پڑھوایا ہے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ اسے چھپاتے پھریں۔"

"تم اپنی جگہ درست ہو مگر ہم فرزانہ کے گھر والوں کو منہ نہیں دکھا سکیں گے۔ میں تمہیں بیٹی کہہ کر التجا کرتا ہوں کہ ہمیں ذلت سے بچا لو!"

عشرت نے عظیم صاحب کو ہمدردی سے دیکھا پھر بولی۔ "میں آپ لوگوں کو

شرمندگی سے بچانے کے لئے ظفر سے اپنا رشتہ ظاہر نہیں کروں گی۔"

"لیکن ظفر فرزانہ کو تمہارے متعلق بتا چکا ہے۔"

عشرت نے پوچھا۔ "تو پھر چھپانے کے لئے کیا رہ گیا ہے؟ کیا فرزانہ مجھے جاننے کے بعد بھی روکے گی؟"

"ہم فرزانہ کے میکے والوں سے تمہارا رشتہ چھپانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں فرزانہ ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔"

"پھر تو وہ میرا بھی ساتھ دے گی۔ اگر کوئی اور پوچھے تو کہہ دیجئے گا کہ میں آپ کے دوست کی بیٹی ہوں۔ آپ کے ہاں اکثر آ کر رہتی ہوں۔ اس طرح میرے یہاں ٹھہرنے کی بات بن جائے گی۔"

بیگم نے پوچھا۔ "کیا تم یہاں رہنے آئی ہو؟"

"مجھے کوٹھی میں رہنے کا شوق نہیں ہے لیکن ظفر کو میری ضرورت ہوگی تو یہاں رہ بھی سکتی ہوں۔"

"فرزانہ اسے پسند نہیں کرے گی۔"

"میں صرف ظفر کی پسند دیکھوں گی۔ وہ کہیں گے تو واپس چلی جاؤں گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ان سے کترا کر کوٹھی کے برآمدے کی طرف جانے لگی۔ بیگم اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولیں۔ "تم ابھی ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ میں ظفر اور فرزانہ کو پہلے تمہارے آنے کی اطلاع دے دوں۔"

میں کوئی بلا نہیں ہوں کہ آپ اپنے بیٹے بہو کو پہلے سے خبردار کریں گی۔"

وہ ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے' ایک کوریڈور کو عبور کرتے ہوئے اس کمرے کے سامنے پہنچ گئی۔ یہاں وہ پہلے بھی اپنے بیمار کی تیمار داری کر چکی تھی۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ پہلے ہی کمرے میں موجود تھی۔ وہ اوپر بالکونی سے دوڑتے ہوئے آئی تھی اور عشرت کی آمد سے ایک منٹ پہلے اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازے کو

اندر سے بند کرلیا تھا۔ آئینے میں اپنے آپ کو جلدی جلدی دیکھ کر بالوں میں برش کر رہی تھی ہونٹوں کی سرخی تازہ کرنے تک اسے دستک سنائی دی۔ دوسری دستک کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھولتے ہی وہ انجان بن گئی۔ جیسے سوکن کو پہچانتی نہ ہو۔ پیچھے کھڑی ہوئی ساس نے کہا۔ "فرزانہ بیٹی! یہ عشرت ہے وہی عشرت یعنی تم سمجھ گئی ہوگی۔"

فرزانہ نے عشرت پر ایک نظر ڈالی، پھر ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ عشرت نے اندر آکر دیکھا۔ سہاگ کی سیج کے چاروں طرف پھولوں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ بستر کے اوپر بھی پھولوں کی مہک بکھری ہوئی تھی ان پھولوں اور خوشبوؤں کے سائے میں وہ آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ عشرت نے پاس آکر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو جیسے اس نے اپنی محبوبہ کے لمس کو پہچان لیا ہو۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بولا۔ "تم.......... تم آگئیں؟"

"ہاں! آرام سے لیٹے رہو۔"

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "نہیں۔ اب بخار نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔" اٹھتے ہی اس کی نظر فرزانہ پر گئی۔ وہ ایک دم بوکھلا گیا اس وقت پتہ چلا کہ وہ دو بیویوں کے درمیان ہے۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "فرزانہ! یہ عشرت ہے۔ تم سے تو ذکر کر ہی چکا ہوں۔"

فرزانہ نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ "جب کسی سے پہلی بار ملاقات ہوتی ہے تو اخلاقاً کہا جاتا ہے کہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ میرا خیال ہے کوئی عورت اپنی سوکن سے رسمی طور پر بھی یہ نہیں کہہ سکتی۔"

عشرت نے مسکرا کر کہا۔ "اس کے باوجود دونوں سوکنوں کو اپنے اپنے حال پر خوش رہنا پڑتا ہے اور میں خوش ہوں تم سے مل کر بھی۔"

فرزانہ نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی ساس سے پوچھا۔ "میں نے

کہا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر آپ کے شوہر کا کاروبار میرے شوہر کے نام منتقل ہوجانا چاہئے۔"

بیگم نے کہا۔ "ہاں بیٹی! ظفر کے ابو نے اپنے وکیل کو کہہ دیا ہے آج دوپہر تک منتقلی کے کاغذات تیار ہوجائیں گے۔ میں ابھی جاکر پھر وکیل کو فون کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ظفر نے حیرانی سے پوچھا۔ "فرزانہ! یہ تم ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا ابو کا کاروبار میرے نام پر منتقل ہوگا؟"

"ہاں! میں نے آپ کے والدین کو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ کاروبار آپ کے نام ہوگا تو میں اس دھوکے کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کروں گی۔"

"کیسا دھوکا؟" ظفر نے پوچھا۔ "کیا یہی کہ میری پہلی شادی تم لوگوں سے چھپائی گئی تھی؟"

"ہاں! اس گھر میں آتے ہی میں نے دھوکہ کھایا۔ آئندہ کے لئے ضمانت چاہتی ہوں کہ تمہارے والدین پھر کبھی دھوکا نہیں دیں گے اور اس سے بہتر ضمانت نہیں ہوسکتی کہ روزگار میرے شوہر کے ہاتھوں میں ہو۔ آپ اپنے والدین کے بھی محتاج نہیں رہیں گے تو میں یہاں کسی کے دباؤ میں نہیں رہوں گی۔"

"تم نے امی اور ابو کو دھمکیاں دیں۔ یہ اچھا نہیں کیا۔"

"میرے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا گیا۔ میں ایک بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی ہوں۔ ایک بار گھاٹے کا سودا ہوجائے تو آئندہ کے لئے سنبھل جاتی ہوں۔ ویسے میری دھمکیاں اس وقت نامناسب ہوتیں۔ جب میں یہاں کا کاروبار یا جائیداد اپنے نام کرانا چاہتی۔ میں یہ سب کچھ آپ کے لئے کر رہی ہوں۔ آپ کا بھلا ہوگا تو میرا بھی بھلا ہوگا۔" فرزانہ نے عشرت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور میری اس ذہانت سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچ جائے گا۔"

عشرت نے پوچھا۔ "کیا تم مجھ پر احسان کر رہی ہو؟"

فرزانہ نے جواب دیا۔ "تم خود ہی انصاف سے سوچو۔"

"سوچ لیا۔ میں ظفر کی پہلی بیوی ہوں۔ اگر میں اجازت نہ دیتی تو یہ کبھی دوسری شادی نہیں کرسکتے تھے۔ پہلے تمہیں میرا احسان ماننا چاہئے کہ تم میری فراخ دلی کے باعث یہاں سہاگن بنی ہوئی ہو۔"

"مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں شادی سے انکار کردیتی۔"

"پہلے سے معلوم ہوجائے کہ اگلے قدم پر گڑھا ہے تو آدمی کبھی نہ گرے۔ میں تمہارے گرنے کی ذمہ دار نہیں ہوں۔ اب یہاں ظفر کے ساتھ تمہیں جو خوشیاں ملیں' جو آرام و آسائش اور کاروباری فائدے حاصل ہوں تو میرا نام یاد رکھنا کہ عشرت کی اجازت سے تم اس کے شوہر تک پہنچی تھیں۔"

ظفر نے کہا۔ "بھئی خدا کے لئے اس موضوع کو ختم کرو۔ ورنہ بات بڑھتی چلی جائے گی۔ تم دونوں کو میرے متعلق سوچنا چاہئے۔ مجھ سے باتیں کرنی چاہئیں۔"

فرزانہ دانت پر دانت جمائے' ہونٹوں کو سختی سے بھینچے عشرت کی بات کو برداشت کر رہی تھی۔ وہ جواباً بہت کچھ کہہ سکتی تھی لیکن محض برتری حاصل کرنے والا دو عورتوں کا جھگڑا ہوتا۔ کوئی خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلتا۔ وہ یک بیک مسکرا کر ظفر سے بولی۔ "آپ درست کہتے ہیں میں ایم اے پاس ہوں۔ مجھے جاہل عورتوں سے بات نہیں بڑھانی چاہئے۔ آپ بتائیں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

ظفر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے عشرت بول پڑی۔ "ظفر! تمہیں ایم اے تک تعلیم حاصل کرنا چاہئے ورنہ زندگی بھر طعنے سنتے رہوگے۔"

فرزانہ نے چیخ کر کہا۔ "میں نے کسی کو طعنے نہیں دیئے ہیں۔ تم تو جھگڑا بڑھانے والی عورت ہو؟"

"عورت نہیں' لڑکی کہو۔" عشرت نے کہا۔ "سہاگن بننے کے باوجود ابھی میں لڑکی ہی ہوں۔"

ظفر بستر سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ جھنجلا کر بولا۔ "کیا تھوڑی دیر کے لئے ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو بھول جاؤ۔ صرف مجھے یاد رکھو۔ مگر کیسے ہوسکتا ہے۔ آج پتہ چل رہا ہے کہ دو عورتیں جس مرد کے لئے لڑتی ہیں۔ اسے بھی گولی مار کر ایک طرف کو ڈال دیتی ہیں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اور بولتا ہوا دروازے کی طرف آیا۔ "تم دونوں کو ذرا عقل سے سوچنا چاہئے کہ کوئی کسی کو باتوں سے نیچا دکھا کر برتری حاصل نہیں کرسکتا لیکن تمہیں اپنی اپنی برتری اتنی عزیز ہے کہ میری بیماری کو بھلا بیٹھی ہو۔ تمہیں سمجھنا چاہئے کہ میری دوا ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ اگر میرا باقاعدہ علاج نہ ہوا تو تم دونوں پچھتاؤ گی میں کچھ دیر کے لئے تم دونوں کو اس کمرے میں چھوڑ کر جارہا ہوں۔ یا تو لڑ کر مرجاؤ یا پھر ٹھنڈے دماغ سے غور کرلو کہ ازدواجی زندگی کیسے گزرے گی؟"

یہ کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔ وہ دونوں کافی فاصلے پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑی رہ گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر عشرت نے کہا۔ "اپنے مرد کی محبت اور توجہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے عورتیں آپس میں لڑتی ہیں اور اپنے مرد کو ذہنی الجھنوں میں مبتلا کردیتی ہیں۔ آؤ آج ہم اپنی پہلی ملاقات میں آئندہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیں۔"

فرزانہ نے جواب دیا۔ "ابھی مجھے ظفر کی محبت اور توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے لئے لڑنا نہیں چاہتی۔ کوئی سوکن اتنی فراخ دلی کا ثبوت نہیں دے سکتی۔ میں اجازت دے رہی ہوں کہ جتنے دن تک چاہو ظفر کو اپنے پاس رکھ لو۔"

عشرت نے مسکرا کر کہا۔ "اور تم دور کے سہانے ڈھول کی طرح ظفر کے خیالات میں بجتے رہنا چاہتی ہو۔"

"اور تم ایسا سہانا سپنا بن کر رہنا چاہتی ہو جسے ظفر کھلی آنکھوں سے دیکھتے رہیں اور تعبیر کے لئے للچاتے رہیں۔"

عشرت نے کہا۔ "ایسے تو پھر بات بڑھ جائے گی۔ بہتر ہے کہ اس کا فیصلہ ظفر پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ اپنی خوشی سے جس کے ساتھ چاہیں گے ازدواجی زندگی گزاریں گے۔"

فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ہاں! یہ مناسب ہے۔ ظفر ہی کو اپنی خوشی سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ تم بیٹھو میں تمہارے لئے چائے منگواتی ہوں۔"

عشرت ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ فرزانہ کمرے سے باہر گئی۔ ملازمہ کو خواب گاہ میں چائے لے جانے کے لئے کہا اور خود ظفر کے پاس پہنچ گئی وہ کوٹھی کے پیچھے تنہا ایک جگہ بیٹھا موجودہ مسئلے میں الجھا ہوا تھا.......... فرزانہ کو دیکھتے ہی اٹھ کر بولا۔ "تم عشرت کو چھوڑ کر یہاں آگئیں؟"

"ہاں! ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ جب بھی جس کے ساتھ رہنا پسند کریں ہمیں منظور ہوگا۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "سچ؟"

"ہاں! مگر آپ انصاف کرنے کا وعدہ کرچکے ہیں اور انصاف یہ ہے کہ آپ پہلی بیوی کو پہلے اس کے حقوق دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہیں اعتراض نہیں ہے تو میں عشرت کو سمجھا لوں گا۔ آؤ کمرے میں چلیں۔"

وہ وہاں سے کمرے میں آئے۔ عشرت ایک میز پر جھکی ہوئی ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھی۔ ظفر نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "عشرت! مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں نے مجھ پر فیصلہ چھوڑا ہے۔ میں اپنی مرضی کے مطابق آج شام کو ہوٹل میں آؤں گا؟"

عشرت نے میز پر سے کاغذ اٹھا کر کہا۔ "ابھی میں ہوٹل سے گھر چلی جاؤں گی۔ میرے ساتھ ایک مجبوری ہے۔ وہ مجبوری میں نے اس کاغذ پر لکھ دی ہے۔ اسے پڑھ لو' میں جا رہی ہوں۔"

وہ اس کے ہاتھ میں کاغذ تھما کر جانے لگی۔ ظفر نے کہا۔ "اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو۔ کچھ دیر بیٹھو۔"

"میں خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔ اب اطمینان ہوگیا کہ تم بالکل ٹھیک ہو۔ ویسے تم جب چاہو چلے آنا۔"

وہ دروازہ کھول کر چلی گئی۔ فرزانہ نے فوراً ہی دروازے کو اندر سے بند کر کے تیزی سے ظفر کے پاس آکر پوچھا۔ "ذرا دیکھو وہ کیا لکھ کر گئی ہے۔"

دونوں کی نظریں کاغذ پر جم گئیں۔ عشرت نے لکھا تھا۔ "میں بیمار ہوں اور اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ فرزانہ تمہیں میری مجبوری سمجھا دے گی۔"

فرزانہ نے غصے سے کاغذ کو جھپٹ لیا۔ "وہ کمینی مکار ہے۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ اس نے بہانہ کیا ہے۔ ایسے تو میں بھی ہزار بہانے کر سکتی ہوں۔"

وہ کاغذ کو یوں چیرنے پھاڑنے لگی جیسے عشرت کی بوٹی بوٹی کر رہی ہو۔

ظفر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارا بہانہ بھی معقول ہوگا کہ شادی کے دوسرے دن دلہن اپنے میکے جاتی ہے اور آج تم اپنے میکے چلی جاؤ گی۔"

"کیا رواج کے مطابق مجھے نہیں جانا چاہئے؟"

وہ اٹھ کر بولا۔ "ضرور جاؤ مجھے تم دونوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ غصے سے لمنلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

اس شام فرزانہ کے میکے والے آئے اور رسم ورواج کے مطابق اسے لے کر چلے گئے۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد ظفر نے لباس تبدیل کیا۔ جیب میں کچھ سو سو کے نوٹ رکھے۔ اپنے فلیٹ کی چابی لی۔ پھر کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔ کراچی کے چھوٹے علاقوں کے جو فٹ پاتھ ہیں' وہاں بڑے بڑے حکیم اور سنیاسی باوا ایک ہجوم لگا کر دوائیں بیچتے ہیں۔ دوائیں خریدنے کے لئے شباب زدہ نوجوانوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے کیونکہ دوائیں سستی اور ان کی آرزوؤں کے مطابق ملتی ہیں۔ اس کے برعکس کراچی کے

بڑے علاقوں کے فٹ پاتھ پر بڑی مہنگی دوائیں ملتی ہیں۔ ظفر نے سوسائٹی کے علاقہ میں ایک فٹ پاتھ کے پاس کار روک دی۔ اس کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ کچھ دیر بعد ایک سوسائٹی گرل لفٹ مانگنے کے بہانے آکر بیٹھ گئی۔ کار کا دروازہ بند ہوگیا۔

فلیٹ کی جانب کار ڈرائیو کرتے ہوئے ظفر کے دماغ پر بوجھ سا تھا۔ اس کے مزاج میں آوارگی نہیں تھی لیکن حالات ایسے تھے کہ طریقۂ علاج غلط ہو رہا تھا۔

☆======☆======☆

فرزانہ دو دن کے بعد میکے سے واپس آئی۔ ساس بیگم نے اسے وہ کاغذات دکھائے جس کی رو سے اسٹیٹ ایجنسی کے کاروبار اور منافع میں دونوں باپ بیٹے برابر کے شریک تھے۔ فرزانہ مطمئن ہو کر اپنی خواب گاہ میں آئی۔ وہاں کی ہر چیز کو غور سے دیکھا۔ اندازہ کیا کہ ظفر رات کو اس خواب گاہ میں رہتا ہوگا یا نہیں؟ کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ اس نے ملازمہ کو بلا کر پوچھا۔ "صاحب کس وقت آتے تھے؟"

"شام کو سات بجے تک آتے ہیں۔"

"پھر کہیں جاتے ہیں؟"

"بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ کے ساتھ رات کا کھانا کھانے کے بعد کہیں چلے جاتے ہیں۔"

"واپس کب آتے ہیں؟"

"پتہ نہیں بی بی جی! اپنا خانساماں کہہ رہا تھا کہ صبح چھ سات بجے آتے ہیں۔ پھر ناشتہ کر کے دفتر چلے جاتے ہیں۔"

"اچھا جاؤ۔"

ملازمہ چلی گئی۔ ان دو دنوں میں ظفر اس کے میکے دو بار دن کے وقت آیا تھا۔ ایک روز دوپہر کا کھانا بھی کھایا تھا۔ ان کے درمیان بہت ساری باتیں ہوئی تھیں لیکن فرزانہ نے عشرت کے متعلق نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی ظفر نے اپنی مصروفیات کا ذکر کیا تھا۔ اس

طرح فرزانہ کے اندر کھدبد ہونے لگی تھی کہ پتہ نہیں اُدھر والی کیا گل کھلا رہی ہے۔ یہی اضطراب اسے جلد ہی سسرال لے آیا تھا۔

ظفر سات بجے سے پہلے ہی آگیا۔ خوابگاہ کی تنہائی میں فرزانہ نے بھرپور مسکراہٹ سے استقبال کیا۔ ظفر نے پوچھا بڑی جلدی واپس آگئیں؟

"آپ کے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا۔"

"میں بھی تمہیں کتنی بار یاد کر چکا ہوں۔"

"جھوٹ نہ بولیں۔ آپ کے پاس تو میری یاد بھلانے والی ہے۔"

"عشرت یہی سمجھتی ہے کہ میں اس کے پاس پہنچ کر تمہیں بھول جاتا ہوں مگر مجھے میرے دل کا حال معلوم ہے۔ جانے تم میں کیا بات ہے کہ یہ دل تمہاری طرف ہی لگا رہتا ہے۔"

وہ خوش ہوگئی لیکن اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے بولی۔ "وہ خوبصورت اور اسمارٹ ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ مجھے وہاں یاد کرتے ہوں گے۔"

"بے شک وہ خوبصورت ہے اس میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری کوئی خواہش تمہارے پاس اٹکی ہوئی ہے۔ تمہارے لئے ایک نامعلوم سی تڑپ رہتی ہے۔"

وہ مسرتوں کے ہجوم میں گلے کا ہار بن گئی۔ یہ معلوم ہوگیا کہ عشرت اس روز بیماری کا بہانہ کر کے گئی تھی۔ اس نے ظفر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اب ظفر کے لئے دو دن پرانی ہو چکی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اسے اپنی خواہش فرزانہ کے پاس اٹکی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ نفسیاتی حربہ کام آیا تھا۔ اب عشرت کے مقابلے میں وہ نئی لگ رہی تھی۔

اس نے پوچھا۔ "کیا آپ راتوں کو وہاں رہتے ہیں؟"

"تم کہو تو آج یہاں رہ جاؤں۔"

فرزانہ نے اس کے سینے میں منہ چھپالیا۔

دوسرے دن وہ ساڑھے تین بجے دفتر سے نکل کر چار بجے فیکٹری کے قریب پہنچ گیا۔ عشرت سے روز ہی ملاقات ہوا کرتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ اب وہ فیکٹری جایا کرے گی۔ ظفر اپنی محنت کا جائز معاوضہ حاصل کرے تو وہ ملازمت چھوڑ دے گی۔ دوسرے دن ظفر نے وہ کاغذات دکھائے جب یہ ثابت ہوگیا کہ ظفر اب برابر کا حصے دار ہے اور اپنے والدین کا محتاج نہیں ہے تو وہ ملازمت چھوڑنے پر راضی ہوگئی۔

شام کے وقت وہ عشرت کو کار میں لے کر گھومتا رہا۔ پیار و لگاوٹ کی باتیں ہوتی رہیں۔ کسی نہ کسی بہانے عشرت فرزانہ کا ذکر چھیڑ دیتی تھی اور ظفر یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ کوٹھی میں راتیں گزارتا ہے جس دن عشرت کاغذ پر اپنی بیماری کا حال لکھ کر گئی تھی اسی دن سے فرزانہ نے تعاون کیا تھا اور ان میں ازدواجی رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔

ظفر نے صرف ایک بار کسی سوسائٹی گرل کے پلے پڑ کر توبہ کرلی تھی۔ یہ اس کے مزاج کے خلاف تھا دوسرے دن یہ تدبیر سوجھی کہ وہ راتوں کو فلیٹ میں سویا کرے گا تاکہ فرزانہ سمجھے کہ وہ عشرت کے پاس رہتا ہے اور عشرت سے وہ کہا کرتا تھا کہ کوٹھی میں فرزانہ کے پاس راتیں گزرتی ہیں۔

اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرزانہ پگھل گئی۔ عشرت ذرا مستقل مزاج تھی۔ پھر یہ کہ ظفر اس سے بے حد متاثر تھا۔ اس لئے اسے متاثر نہیں کرسکتا تھا۔ ایک شام وہ تفریح کے بعد عشرت کو اس کے گھر تک پہنچانے گیا۔ پھر اس کے کمرے میں جم کر بیٹھ گیا۔

عشرت نے پوچھا گھر نہیں جاؤ گے؟

اس نے کہا۔ ”تمہیں چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہتا۔“

”کیوں وہاں سے دل بھر گیا؟“

”دل کبھی نہیں بھرتا‘ بھوک کبھی نہیں مٹتی۔ انسان جب سے پیدا ہوا ہے۔ تب

سے کھاتا ہی چلا جارہا ہے۔ کھانا کیسا ہی ہو۔ اس سے ایک وقت جی بھرتا ہے دوسرے وقت پھر مچلتا ہے۔“

”تو پھر اُدھر جاؤ۔“

”اُدھر تو میں رہتا ہوں مگر دل اِدھر رہتا ہے۔ اس کے پاس رہ کر بھی تم یاد آتی رہتی ہو۔“

”مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ تو بڑی خوبصورت ہے۔ بڑی اداؤں والی ہے۔ جہاں سب کچھ ہو‘ وہاں میری کمی کیسے محسوس ہوسکتی ہے؟“

”جب فرزانہ میری زندگی میں نہیں آئی تھی۔ تب سے میں تمہارا طلبگار ہوں۔ بے شک وہ خوبصورت ہے اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری کوئی خواہش تمہارے پاس اٹکی ہوئی ہے۔ فرزانہ ایک کھلونا لگتی ہے جس سے میں بہلتا رہتا ہوں۔“

عشرت دل ہی دل میں خوش ہوگئی۔ عورت مرد پر نفسیاتی حربے آزما کر خوش ہوجاتی ہے۔ یہ بھول جاتی ہے کہ مرد ازل سے ہی اس کی نفسیات پر حاوی رہا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ”میں یہی چاہتی ہوں کہ فرزانہ کی جنت میں پہنچ کر بھی میری کمی محسوس کرتے رہو۔“

ظفر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ پھر اسے بازوؤں سے پکڑ کر بولا.........

”بس تم نے بہت آزمالیا۔ مجھے بہت دوڑالیا۔ اب میں تھک گیا ہوں اور آج میں تمہاری چھاؤں میں تھکن اتاروں گا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ ظفر کی چھاؤں میں سر جھکالیا۔

دوسری صبح ظفر اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کی طرف جاتے ہوئے بڑے موڈ میں تھا۔ کبھی سیٹی بجارہا تھا۔ کبھی گنگنارہا تھا۔ دماغ کے اندر دونوں عورتیں تھیں اور یہ تجزیہ ہورہا تھا کہ کون بہتر ہے اور کون ذرا کمتر ہے۔ عشرت محبوبہ کی حیثیت سے بھاری تھی۔ ایک

عرصہ سے ظفر کے دل و دماغ کو تسخیر کرتی آ رہی تھی۔

اس وقت ظفر محبوبہ کو الگ رکھ کر محبت کے تعلق کو ذرا نظر انداز کر کے صرف جسمانی تعلقات کی بنا پر غور کر رہا تھا کہ دونوں میں کوئی فرق ہے؟ بہت غور کرنے کے بعد بھی دونوں ایک جیسی لگ رہی تھیں۔ ان میں نام کا فرق تھا۔ عشرت اپنی عمر کے مطابق سنجیدہ تھی۔ ظفر سے قد میں چھوٹی تھی۔ جسامت میں ایک دوشیزہ کی طرح مکمل تھی لیکن ظفر نے محسوس کیا کہ وہ اس پر حاوی رہی تھی۔ عشرت کی شخصیت میں انجانا سا دبدبہ تھا۔ کافی رت جگے کے بعد جب نیند آنے لگی تھی تو اس نے ظفر کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیر کر اور نہایت دھیمے سروں میں گنگنا کر سلایا تھا اور وہ ایک بچے کی طرح فوراً ہی سو گیا تھا۔

کسی سے متاثر ہونا اور بات ہے لیکن اس تاثر کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ ظفر بھی یہ نہیں سمجھ پایا کہ عشرت ممتا بھری محبوبہ ہے۔ یہ خوبی ایک عمر کو پہنچ کر پیدا ہوتی ہے کہ عورت اپنے مرد کو بھرپور پیار دیتے وقت چپکے چپکے ممتا بھی دیتی ہے۔ عشرت کے اس انداز کو وضاحت سے نہ سمجھنے کے باوجود وہ اس کے پیچھے دیوانے کی طرح بھاگتا تھا۔

جوانی میں شوخ رنگ اور شوخ ادائیں پسند آتی ہیں۔ اس لئے فرزانہ بھی اچھی لگتی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ ازدواجی تعلقات تو ایک جیسے ہوتے ہیں پھر دونوں عورتوں میں فرق کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں ایسا بالکل نہیں تھا کہ ایک کا بدن گلاب کا ہو تو دوسری چنبیلی کا جسم رکھتی ہو۔ ظفر نے تعجب سے سوچا کہ جب ایک ہی بیوی سے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو لوگ چار چار شادیاں کیوں کرتے ہیں؟ چار عورتوں سے بھی پوچھنا چاہئے کہ وہ ایک ہی مرد سے شادی کیوں کرتی ہیں؟

وہ شادی کے موضوع پر سوچتا ہوا کوٹھی تک پہنچ گیا۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ عظیم صاحب ناشتے سے فارغ ہو کر دفتر جانے والے تھے۔ بیگم نے اسے چائے اور ناشتے کے لئے پوچھا۔ اس نے کہا۔ ”میں غسل کرنے کے بعد چائے پیوں گا۔ کیا فرزانہ ابھی

تک سو رہی ہے؟“

”پتہ نہیں بیٹا! میں تو بھو لا کر پچھتا رہی ہوں۔ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی۔“

وہ سیدھا خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔ فرزانہ بستر پر اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی۔ ظفر نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔ ”کیا ابھی تک سو رہی ہو؟“

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غصے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ منہ پھیر کر بالوں کا جُوڑا باندھنے لگی۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں تم ناراض ہو مگر میں کیا کروں؟ وہاں عشرت کی طبیعت خراب تھی۔ آخر وہ بھی بیوی ہے۔ اسے بیماری میں چھوڑ کر آتا تو شکایت ہوتی۔“

”اور میں تو شکایت کر ہی نہیں سکتی۔ میں بیوی نہیں ہوں نا؟“

”بھئی یہ بات نہیں ہے..........“

ظفر نے آگے کچھ کہنے کے لئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا وہ جلدی سے پیچھے کھسک کر بولی۔ ”چھی.......... وہاں سے آ رہے ہیں۔ پہلے غسل کریں پھر مجھے ہاتھ لگائیں۔“

”کیا مصیبت ہے میں کوئی بھنگی تو نہیں ہوں۔“ وہ ناگواری سے الماری کی طرف گیا۔

فرزانہ نے کہا۔ ”الماری نہ کھولیں۔ آپ کا لباس میں نکالوں گی میں نے غسل خانے میں تولیہ صابن اور شیونگ کا سامان رکھ دیا ہے۔“

وہ غسل خانے میں چلا گیا۔ فرزانہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر الماری کھولی۔ اس کے لئے اپنی پسند کا لباس نکالا۔ جوتوں پر پالش کی۔ پھر خانساماں کو چائے اور ناشتہ تیار کرنے کے لئے کہنے گئی۔ باورچی خانہ سے واپس مڑ کر ڈرائنگ روم سے گزرتے وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا کر بولی۔ ”ہیلو! فرمائیے۔“

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں نے آواز پہچان لی۔ تم فرزانہ ظفر ہو۔ میں

ڈاکٹر اسلم بول رہا ہوں۔ ظفر کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہیں۔ کیا آپ ان سے باتیں کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں۔ تم سے باتیں کروں گا۔ اس روز تم نے بڑی صفائی سے بات بنائی تھی کہ عشرت ریس کی ایک گھوڑی کا نام ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں جوئے اور ریس پر پابندی ہے۔ فرزانہ! اگر تم مجھے اپنا دوست سمجھ لو تو میں تمہارے لئے عشرت کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کرسکتا ہوں۔"

فرزانہ نے ایک لمحے کو سوچا' پھر پوچھا۔ "مثلاً کیسی معلومات؟"

"یہی کہ عشرت ایک نچلے طبقے کی لڑکی ہے۔ وہ ایک بار ظفر کو بخار کی حالت میں گھر لائی تھی۔ میں نے اس دن پہلی بار اسے دیکھا۔ میں نے بتایا ناکہ میں شاعر بھی ہوں حسن کو ذہن نشین کرلیتا ہوں۔ وہ حسین لڑکی مجھے ابھی تک یاد ہے۔ میں نے ایک دن بیگم عظیم سے عشرت کے متعلق پوچھا تو وہ عشرت سے نفرت ظاہر کرنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ ظفر اس کا دیوانہ ہے۔ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر بیگم اس شادی کے خلاف تھیں جانتی ہو کیوں؟"

"کیوں؟" فرزانہ نے انجان بن کر پوچھا۔

"اس لئے کہ عشرت ظفر سے تین سال بڑی ہے۔"

فرزانہ ایک دم سے اچھل پڑی۔ یہ ایک عورت کے خلاف دوسری عورت کے لئے اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ ریسیور ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کی ساس محض عشرت کی غریبی سے نفرت کرتی ہے۔ مگر ڈاکٹر اسلم نے بہت بڑا انکشاف کیا تھا۔ وہ خوشی سے چیخ کر بولی۔ "کیا سچ؟ آپ کیسے جانتے ہیں؟"

"میں نے تو باتوں ہی باتوں میں تمہاری ساس سے اگلوا لیا تھا۔ تم خود پوچھ لو مگر میرا حوالہ نہ دینا۔"

"میں ابھی معلوم کوتی ہوں۔"

"ٹھہرو' فون بند کرنے سے پہلے بتادو کہ آج سے ہم دوست ہیں یا نہیں؟ دیکھو! نہیں کہنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں آئندہ بھی تمہارے کام آسکتا ہوں۔"

وہ چند لمحوں تک کچھ سوچ کر بولی۔ "اگر دوستی سے نقصان نہ پہنچا تو میں ہمیشہ دوست بن کر رہوں گی۔"

"تمہیں مجھ سے ایسے ایسے فائدے پہنچتے رہیں گے کہ تم نقصان کے متعلق سوچنا بھول جاؤ گی۔ اچھا اب جاؤ اور اپنی ساس سے تصدیق کرلو۔"

وہ ریسیور رکھ کر ساس بیگم کے کمرے کی طرف گئی۔ بیگم نے اسے دیکھتے ہی بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ بولی۔ "آپ ایک بات سچ سچ بتائیں عشرت کی عمر کیا ہے؟"

"اے بیٹی! وہ تو بہت عمر والی ہے۔ کم از کم تیس بتیس برس کی ہوگی۔"

وہ تڑخ کر بولی۔ "آپ کے خاندان میں اور دو چار بوڑھیاں ہوں تو انہیں بھی اپنے لاڈلے سے بیاہ دیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی ہم عمر بہویں اچھی لگیں گی۔ مجھے یہاں لاکر پھانسنے کی کیا ضرورت تھی؟" یہ کہتے ہی وہ زور دار آواز سے دروازہ بند کرتے ہوئے چلی گئی۔ بیگم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ عشرت کو تیس بتیس کی بتا کر بہو کو خوش کرنا چاہتی تھیں۔ مگر وہ الٹا طعنے دے کر چلی گئی تھی۔

فرزانہ غصہ دکھا کر ساس کے کمرے سے نکلی۔ شوہر کے کمرے میں پہنچتے ہی مسکرانے لگی۔ وہ ایک جگہ گرم ہونا اور دوسری جگہ نرم ہونا جانتی تھی۔ ظفر غسل خانے سے نکل کر لباس پہن چکا تھا۔ سنگار میز کے آئینے کے سامنے کنگھی کر رہا تھا۔ آئینے میں فرزانہ کو آتے دیکھ کر بولا۔ "بڑی مسکرا رہی ہو۔ کیا مجھ سے ناراضی دور ہوگئی؟"

"ہاں میں نے آپ والی سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ اب آپ اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارا کریں۔ میں اعتراض نہیں کروں گی۔"

ظفر نے پلٹ کر حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تمہارے رویے میں اچانک تبدیلی کیسے آگئی؟"

وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ بے چاری قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ جو تھوڑی سی زندگی آپ کے ساتھ گزر جائے تو اس نیکی کے بدلے مجھے ثواب ملے گا۔"

اس نے حیران اور پریشان ہو کر پوچھا۔ "قبر میں پاؤں لٹکانے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا عشرت کا فون آیا تھا؟ اسے کچھ ہو گیا ہے کیا؟"

"فون نہیں آیا تھا۔ وہ بالکل خیریت سے ہوگی۔ تعجب ہے آپ اردو زبان کی کہاوتیں اور محاورے نہیں سمجھتے ہیں۔ جب کسی کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اسے کہتے ہیں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔"

وہ گھور کر بولا۔ "اچھا تو تمہیں کسی نے عشرت کی عمر بتائی ہے؟"

"کیا غلط بتائی ہے؟"

"ہاں۔ ایک مرد اپنی عورت کو جتنے پیار سے اور جتنے والہانہ انداز سے گنتا ہے اس گنتی کے حساب سے ابھی عشرت کا سولہواں سال شروع ہوا ہے۔ کوئی مجھ سے آکر یہ کہے کہ فرزانہ کی عمر زیادہ ہے تو میں ہنس کر ٹال دوں گا۔ کیونکہ عمر کا حساب تو ہمارے درمیان میں ہوتا رہتا ہے دنیا والے کیا سمجھیں گے۔"

اسے چپ لگ گئی۔ مگر وہ ہار ماننا نہیں چاہتی تھی کچھ سوچ کر بولی۔ "ابھی ابتدا ہے۔ پرانے کپڑے کو نئے ڈیزائن سے سلائی کر کے پہنو تو پہلے وہ نیا پن اچھا لگتا ہے پھر ایک دو دھلائی کے بعد اس پرانے کپڑے کے ریشے نکلنے لگتے ہیں۔ آپ کو ایک دو سال کے بعد نئے اور پرانے کا فرق معلوم ہوگا۔ میں اس وقت کا صبر سے انتظار کروں گی۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی ظفر نے اس کی باتوں کا جواب نہیں دیا۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ خانساماں چائے اور ناشتے سے بھری ہوئی ٹرالی لایا تھا۔

☆------☆------☆

ایک برس گزر گیا۔ ایک برس میں بڑے ہنگامے ہوئے۔ دو شادیوں کی بات چھپنے والی نہیں تھی۔ فرزانہ کے میکے والوں پر جب یہ بھید کھلا تو وہ بڑے ناراض ہوئے اور تفتیش شروع کر دی کہ عشرت کون ہے؟ ظفر اسے کس قدر چاہتا ہے؟ اسے فرزانہ کے مقابلے میں ماہانہ کتنی رقم دیتا ہے؟ اور وہ کہیں چوری چھپے اس کے لئے جائیداد تو نہیں بنا رہا ہے؟

فرزانہ کے والدین نے ظفر کو طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اسلم نے ان گھریلو جھگڑوں سے فائدہ اٹھایا۔ ایک طرف وہ فرزانہ کا ہمدرد بن گیا۔ دوسری طرف وہ رفتہ رفتہ ظفر سے دوستی بڑھانے لگا۔ ڈاکٹر ذرا عمر رسیدہ تھا۔ ظفر اس کا بے تکلف دوست نہیں بننا چاہتا تھا مگر وہ دونوں بیویوں کے سلسلے میں اسے ایسے ایسے مشورے دیتا تھا جن پر عمل کرنے سے دونوں سوکنیں اپنا اپنا جھگڑا بھول کر شوہر کو خوش رکھنے اور اسے جیتنے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتی تھیں۔ اس طرح وہ ڈاکٹر سے متاثر ہو کر اس کا دوست بنتا گیا۔

ڈاکٹر اسلم ان کا فیملی ڈاکٹر تھا۔ دوسری طرف ظفر نے عشرت سے بھی اس کا تعارف کرا دیا تھا۔ عشرت کبھی بیمار پڑتی تو اسلم اس کا علاج کرنے کے لئے اس کے فلیٹ میں آتا تھا۔ ظفر نے اپنا فلیٹ عشرت کے نام کر دیا تھا۔ یہ بات ڈاکٹر کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ خود اسی نے ظفر کو سمجھایا تھا کہ ایک بیوی کی جائیداد کا علم دوسری بیوی کو نہیں ہونا چاہئے' ورنہ جھگڑے اور بڑھیں گے۔

ایک گھر کی چار دیواری میں جھگڑے ہوتے رہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ وہ جھگڑے ختم ہوجاتے ہیں یا پھر ہوتے رہیں تو ان میں جان نہیں رہتی۔ اس کے برعکس گھر کے معاملات میں کسی باہر کے آدمی کو شریک کیا جائے تو وہ گھر کی بہت سی کمزوریوں سے واقف ہوجاتا ہے اور ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے گھر میں لگی ہوئی آگ کو اور ہوا دینے لگتا ہے۔

ڈاکٹر طبعاً عیاش تھا۔ اس کی نظریں عشرت اور فرزانہ پر گڑی ہوئی تھیں۔ سال بھر کے عرصہ میں وہ مان گیا تھا کہ دونوں شوہر پرست ہیں اور کسی مرحلے پر بھی اپنے شوہر کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے والی عورتیں نہیں ہیں۔ فرزانہ کے رویے میں پھر بھی اتنی لچک تھی کہ وہ کبھی اپنی سوکن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر کے کلینک میں آجاتی تھی۔ وہ اس کے حسن پر اشعار سناتا تو وہ چپ چاپ سن لیتی۔ مگر کبھی اسے قریب آنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ وہ ڈاکٹر سے دوستی کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ اس نے یہ راز کی بات اسے بتائی تھی کہ ظفر اخراجات کے لئے عشرت کو دو ہزار روپے ماہانہ دیتا ہے اور اپنا ایک فلیٹ اس کے نام کرچکا ہے۔

یہ سن کر اسے تو آگ لگ گئی۔ وہ ظفر سے ملتے ہی جھگڑا کرنا چاہتی تھی ڈاکٹر نے سمجھایا ایسی نادانی کروگی تو ظفر کو معلوم ہوجائے گا کہ میں نے یہ راز تمہیں بتایا ہے۔ پھر وہ اور عشرت مجھ سے بدظن ہوجائیں گے اور آئندہ میں تمہارے لئے معلومات حاصل نہیں کرسکوں گا۔

"تو پھر میں کیا کروں' بتایئے؟"

"پہلے تو یہ سوچ کر غصہ تھوک دو کہ تمہیں عشرت سے زیادہ تحفظ حاصل ہے مثلاً اس کے نکاح نامہ میں مہر کی رقم صرف دو ہزار روپے ہے اور تمہارے مہر کی رقم دو لاکھ روپے۔ اسے ماہانہ اخراجات کے لئے دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ تم ہر ماہ نہ جانے کتنی رقم شاپنگ کے لئے لے لیتی ہو۔"

"لیکن میرے نام کوئی فلیٹ نہیں ہے۔ اس کی تو ایک جائیداد ہوگئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اس شہر میں ہزاروں فلیٹ تعمیر ہوتے رہتے ہیں۔ تمہارے ہاں اسٹیٹ ایجنسی کا کاروبار ہے۔ تم ضد کرکے قسطوں پر ایک فلیٹ اپنے نام حاصل کرلو۔ مگر کچھ حاصل کرنے کے لئے عشرت کا حوالہ نہ دو ورنہ معلومات کے سارے دروازے بند ہوجائیں گے۔"

فرزانہ نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ پہلے تو ظفر نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ اتنی شاندار کوٹھی میں رہتی ہے۔ اسے فلیٹ کی کیا ضرورت ہے؟ فرزانہ نے جواب دیا کہ اس شہر میں لوگ ضرورت کے لئے نہیں بلکہ جائیداد بنانے کے لئے پلاٹ اور فلیٹ حاصل کرتے ہیں میں وہ فلیٹ کرایہ پر دوں گی تو میری ایک ماہانہ آمدنی ہوگی۔ میں بزنس اور منافع کی بات کر رہی ہوں آپ کو اعتراض کیا ہے؟"

بار بار ضد کرنے پر ظفر راضی ہوگیا۔ چند روز کے بعد ایک فلیٹ کے کاغذات حاصل ہوگئے۔ فرزانہ خوش ہوکر اپنے میکے گئی۔ وہاں وہ کاغذات دکھائے۔ وہیں ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا۔ "بیٹی! اپنے مرد کو مٹھی میں رکھنا چاہتی ہو تو ہمارے تجربے سے کچھ سیکھو۔ ایک فلیٹ حاصل کرکے تم سوکن سے جیت نہیں سکتیں۔"

فرزانہ کو جو بھی برتری حاصل کرنے کے ہتھکنڈے سکھاتا تھا وہ اسی کی طرف جھک جاتی تھی۔ اس نے بوڑھی عورت کے گلے میں بانہیں ڈال کر پوچھا۔ "ماں جی! مجھے بتاؤ تمہارا تجربہ کیا ہے؟"

"یہی کہ بچے پیدا کرو۔ تم لڑکیاں بچوں سے گھبراتی ہو۔ مگر یہ نہیں سمجھتیں کہ عورت کا مان بچوں سے ہوتا ہے۔ اگر تم سوکن سے پہلے ماں بنو گی تو ظفر تمہاری طرف زیادہ جھکے گا۔ کیونکہ ماں باپ پہلی اولاد کو زیادہ چاہتے ہیں۔ تم بچوں کے نام سے زیادہ رقمیں حاصل کرسکتی ہو۔ بچے کے نام جائیداد بنوا سکتی ہو۔ پھر یہ کہ تمہارے ساس سسر اپنی دولت اور جائیداد پوتے پوتی کے نام کریں گے۔ کیونکہ وہ عشرت سے نفرت کرتے

ہیں۔ نہیں چاہیں گے کہ ان کے مرنے کے بعد ظفران کی جائیداد تمہارے اور عشرت کے بچوں میں تقسیم کرے۔ میری بات کو اچھی طرح سمجھو۔ سسر کے مرنے سے پہلے ایک پوتا یا پوتی لے آؤ۔ پھر دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔"

فرزانہ کا دماغ روشن ہوگیا۔ وہ خود کو بہت ذہین اور چالاک سمجھتی تھی لیکن ایک جاہل بوڑھی عورت کا تجربہ اس کی تعلیم اور ذہانت پر بھاری تھا۔ اس نے اس پہلو سے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ اس کے ہونے والے بچے اتنے اہم ہوسکتے ہیں اور وہ بچے صرف باپ کی توجہ ہی نہیں' دادا کی دولت اور جائیداد کو بھی جیت سکتے ہیں۔

فرزانہ کی ماں نے کہا۔ "ماں جی! اس کی سوکن بڑی تیزی ہے۔ وہ بھی جلدی سے بچے پیدا کرنے کے لئے سوچ رہی ہوگی۔ مانا کہ اس کی ساس اور سسر عشرت کو ذرا نہیں پوچھتے۔ مگر اس سے جو اولاد ہوگی وہ ظفر کی ہوگی۔ دادا دادی اپنے پوتے پوتیوں کی محبت میں ادھر کھنچے چلے جائیں گے اور وہ عشرت اسی تدبیر میں مصروف ہوگی۔"

بوڑھی عورت نے کہا۔ "اس کی پرواہ نہ کرو۔ تعویذ گنڈوں کا علم بہت ترقی کرگیا ہے۔ اب پڑھے لکھے پروفیسر لوگ اس علم کے ذریعے بڑے بڑے کمالات دکھاتے ہیں۔ میں فرزانہ کو پروفیسر دلبر بخاری کے پاس لے جاؤں گی ان کے ایک پھونک مارنے سے فرزانہ ماں بن جائے گی اور وہ عشرت بانجھ ہوکر رہ جائے گی۔"

فرزانہ کو تعویذ گنڈوں پر عقیدہ نہیں تھا۔ اس کے دل کو بس ایک ہی بات لگی تھی کہ اسے ظفر کے بچوں کی ماں بننا چاہئے اور عشرت سے پہلے بننا چاہئے لیکن یہ اسی وقت ہوتا جب قدرت کو منظور ہوتا۔ انسان قدرت کے آگے مجبور ہے۔ فرزانہ ذرا صبر سے ذرا بے چینی سے خدا کی قدرت کا انتظار کرنے لگی۔

پھر شادی کو دو برس گزر گئے۔ اس دوران وہ ساس سسر کی عزت کرنے لگی کیونکہ اس کے ہونے والے بچوں کو دادا دادی سے فائدہ پہنچنے والا تھا۔ ساس بیگم کبھی کبھی کہتی بھی تھیں کہ اب اس گھر میں بچوں کی چہل پہل ہونی چاہئے۔ فرزانہ کا دھیان عشرت کی

طرف جاتا تھا۔ اس کی طرف سے بھی کسی بچے کی اطلاع نہیں ملتی تھی۔ ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ وہ ظفر کو پہلے اپنے بچوں کا باپ بنالے گی۔

تیسرا سال ختم ہونے کو آیا۔ اس نے ایک لیڈی ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کرایا۔ رپورٹ ملی کہ وہ بانجھ نہیں ہے۔ ایک رات اس نے ظفر سے کہا۔ "آپ کو اپنا طبی معائنہ کرانا چاہئے۔"

"مجھے کیا ہوگیا ہے؟"

"تین برس ہو رہے ہیں ابھی تک اولاد نہیں ہوئی۔"

"اوہ تو یہ بات ہے ادھر عشرت بھی یہی کہہ رہی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

"یہی کہ میری دو دو بیویاں ہیں۔ باپ بننا ہوا تو بن ہی جاؤں گا۔ اگر بانجھ ہوا تو مجبوری ہے۔"

"مجبوری کیسی؟ سنا ہے کہ بانجھ پن کا علاج ہوتا ہے۔"

"اور میں نے سنا ہے کہ اس علاج کے بعد بھی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اولاد ہوجائے اگر بانجھ پن کا مکمل اور کامیاب علاج ہوسکتا تو یورپ میں ٹیوب سے بچے پیدا نہ ہوتے۔"

"عشرت نے آپ سے علاج کرانے کی ضد نہیں کی؟"

"میں عورت کی ضد کو اہمیت نہیں دیتا۔ میں نے اس سے بھی کہہ دیا ہے اور تم سے بھی صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ مجھے بچوں کی تمنا نہیں ہے۔ جب ہوئی تو دیکھا جائے گا۔"

"آپ تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ مگر عورت شادی کے تین برس میں بھی ماں نہ بن سکے تو اسے میکے والوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور سسرال والوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں؟ اگر بچہ بازار میں ملتا ہو تو کہو تمہارے اور عشرت کے لئے ایک ایک خرید کر لے آؤں۔ لعنت ہے تم دونوں کی عقل پر۔"

"دیکھیں۔ مجھ پر لعنت نہ بھیجیں۔ بھیجنے کے لئے وہ چہیتی ہے۔"

وہ ڈانٹ کر بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم عورتیں ہو یا چڑیلیں؟ دونوں کو یہ خبر ہوتی ہے کہ کس دن کس موضوع پر شوہر سے لڑنا ہے۔ جس دن وہ جائیداد کی بات کرتی ہے اسی دن تم بھی جائیداد کا جھگڑا لے بیٹھتی ہو۔ اِدھر تم اخراجات کی بات کرتی ہو اُدھر وہ اخراجات کی رقم بڑھانے کی ضد کرتی ہے۔ کمال ہے اتنی دور دور رہنے کے باوجود تم دونوں کو یہ کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس دن کس استرے سے اپنے شوہر کی حجامت کرنا ہے؟ اِدھر ایک برس سے تم دونوں ایک بچے کے لئے یوں مچل رہی ہو۔ ایسی بدحواس نظر آرہی ہو جیسے بچہ نہ ہوا تو ہمارے نکاح نامے منسوخ ہو جائیں گے یا میں بچے کے لئے تیسری شادی کر بیٹھوں گا.........."

وہ تالی کی آواز کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "میں دو بیویاں سے بھرپایا۔ تیسری شادی موت سے کروں گا۔ مگر کسی تیسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔ زندگی بھر دوڑانے کے لئے ایک ہی کافی ہوتی ہے۔ دو ہارس پاور ہو جائے تو کیا ہوتا ہے یہ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ بس بھگت رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے فرزانہ کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ فرزانہ چت لیٹی ہوئی چھت کو تک رہی تھی۔ وہاں اسے ایک بچہ ہمکتا ہوا نظر آرہا تھا۔ ظفر نے اسے کیا کہا۔ کیوں کروٹ بدل کر سوگیا۔ ان باتوں کی اسے کوئی خبر نہ تھی۔ بس ایک ہی دھن تھی کہ گود میں بچہ آجائے۔

بچہ نہیں آرہا تھا۔ شادی کا چوتھا سال بھی گزر گیا۔ فرزانہ اب تعویذ گنڈوں پر اتر آئی تھی۔ اپنے میکے کی اس بڑھیا کے ساتھ وہ کئی بار پروفیسر دلبر بخاری کے پاس جاکر اچھی خاصی رقمیں دے آئی تھی۔ پروفیسر نے اسے مراد پوری کرنے والا تعویذ پہنایا تھا اور وہ

عمل شروع کردیا تھا جس کے اثر سے عشرت بانجھ رہ جاتی۔

ایک دن ظفر نے کہا۔ "عشرت کی طبیعت ان دنوں کچھ خراب لگتی ہے۔"

فرزانہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا ہوا اسے؟ کیا متلی ہوتی ہے قے ہوتی ہے؟"

"نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسلم نے مشورہ دیا ہے کہ اسے پہاڑی علاقے میں لے جایا جائے۔ صحت بحال ہو جائے گی۔ میں اسے ایک ہفتہ کے لئے مری لے جاؤں گا۔"

"ان چار برسوں میں آپ مجھے کبھی شہر سے باہر نہیں لے گئے۔"

"سمجھا کرو۔ وہ بیمار ہے۔ میں ڈاکٹر کے مشورے پر اسے باہر لے جارہا ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ مگر اس کے اندر شور مچ رہا تھا کہ عشرت ماں بننے والی ہے اور یہ بات کسی مصلحت سے چھپائی جارہی ہے۔ جب اس رات ظفر عشرت کے پاس رہنے چلا گیا تو فرزانہ نے ٹیلی فون کے ذریعے ڈاکٹر اسلم کو مخاطب کیا۔ "ہیلو ڈاکٹر! میں فرزانہ بول رہی ہوں۔"

ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ تم آج کل میں مجھے یاد کرو گی۔"

"کیا عشرت ماں بننے والی ہے؟"

"میں اپنے مریضوں کا راز دوسروں کو نہیں بتاتا۔"

فرزانہ نے کہا۔ "میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ ہم دوست ہیں۔"

"تم خود غرض ہو۔ جب اپنا مطلب ہوتا ہے تو دوستی کا واسطہ دیتی ہو۔ یاد کرو چار ماہ گزر گئے۔ تم نے مجھ سے گفتگو نہیں کی۔ بہرحال میں آج بھی تمہارے کام آسکتا ہوں۔ عشرت ماں بننے جارہی ہے۔ ظفر کو ہونے والے بچے کی قسم دے کر مجبور کیا ہے کہ ابھی یہ بات تم لوگوں کو نہ بتائی جائے۔ اسے اندیشہ ہے کہ تمہاری طرف سے جادو ٹونے کا عمل ہوگا۔ وہ کل جارہی ہے۔ اب نو دس ماہ کے بعد بچے کو گود میں لے کر واپس آئے گی۔"

فرزانہ کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم اپنی حماقت سے

بازی ہار رہی ہو۔ وہ مکاری سے جیت رہی ہے۔ یہ راز میں جانتا ہوں کہ وہ بچہ ظفر کا نہیں ہے۔"

فرزانہ کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ پھر اس کا دل اس خوشی سے دھڑکنے لگا کہ سوکن کی ایک بہت بڑی کمزوری ہاتھ آرہی تھی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ بچہ ظفر کا نہیں ہے۔ بچہ کسی کا بھی ہو' عورت جس کو باپ بناتی ہے' وہی بچے کا باپ کہلاتا ہے۔"

"میں ظفر کو مجبور کروں گی کہ وہ اپنا طبی معائنہ کرائیں۔"

"تم پھر حماقت کروگی۔ ظفر اندھا بن کر عشرت پر اعتماد کرتا ہے جب وہ باپ بن رہا ہے تو معائنہ کیوں کرائے گا؟ فرزانہ! اب بھی عقل سے کام لو۔ تم تعویذ گنڈے کرانے میں وقت ضائع کرتی رہیں اور عشرت زبردست چال چل گئی۔ تم تلملاتی رہو گی مگر اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکو گی۔ ہاں! میں بہت کچھ کرسکتا ہوں۔"

"آپ کچھ کرسکتے ہیں؟ جلدی بتائیں کیا کرسکتے ہیں؟"

"سنو! عشرت میرے زیر علاج ہے۔ میں ایسی دوا دوں گا کہ بچہ دنیا میں نہیں آسکے گا۔"

فرزانہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ اس نے چشم تصور میں دیکھا عشرت بال کھولے آہوں میں ڈوبی خالی گود بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے سوکن سے دشمنی تھی۔ وہ تعویذ گنڈوں کے ذریعے اسے بانجھ بنائے رکھنا چاہتی تھی لیکن جب ماں بننے کے آثار پیدا ہوگئے تھے تو وہ اس کی ممتا کو قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

چشم تصور میں دوسرا منظر آیا۔ عشرت ایک خوبصورت بچے کو گود میں کھلا رہی تھی۔ ظفر اس کے لئے بہت سے کھلونے لارہا تھا۔ اپنے بچے کو عشرت کی گود سے لے کر چوم رہا تھا۔ پھر تیسرا منظر آیا۔ بیگم اور عظیم صاحب عشرت کے دروازے پر جھکنے چلے گئے تھے۔ وہ اپنے پوتے کو گود میں کھلا رہے تھے اور اپنی جائیداد کا ایک حصہ پوتے کے نام لکھ

رہے تھے۔

وہ لرزتی ہوئی آواز میں ڈاکٹر سے بولی۔ "ہاں! آپ ایسا آسانی سے کرسکتے ہیں۔ میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔"

"تم نے اس پہلو پر بھی غور نہیں کیا ہے کہ تم بھی ماں بن سکتی ہو۔ عشرت کی چال چل کر اس کی برتری ختم کرسکتی ہو۔"

"آں' نن.......... نہیں۔ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟ میں اس کی طرح بازاری نہیں ہوں۔"

"کون کہتا ہے کہ عشرت بازاری ہے اور اس نے کوئی گناہ کیا ہے؟ کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ تم پر بھی کوئی شبہ نہیں کرے گا۔"

"آپ.......... آپ ایسی باتیں نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے نہیں کروں گا۔ تم آپ اپنی دشمن بن رہی ہو۔ میں آخری بات کہہ دیتا ہوں۔ پرسوں عشرت یہاں سے ظفر کے ساتھ جائے گی۔ یعنی وہ پرسوں تک میرے زیر علاج رہے گی۔ میں مزید دو چار دن کی دوائیں اسے دوں گا تم کل تک بتا دو کہ میں اسے کون سی دوا دوں؟"

"مم میں بتاؤں؟"

"ہاں۔ اس لئے کہ میں اپنی مرضی سے عشرت کا نقصان کیوں کروں؟ کس کے لئے کروں؟ اگر تمہارے لئے کروں تو تم میرے لئے کیا کروگی؟"

اس کے ہاتھ میں ریسیور کانپ رہا تھا۔ گرمی کا دن تھا۔ وہ پسینہ پسینہ ہورہی تھی۔ اسے ریسیور پر سرگوشی سنائی دی۔ "صرف کل تک اچھی طرح غور کرلو۔ میں اس کا علاج کروں گا۔ وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔ تمہارا علاج کروں گا تو ایک ڈاکٹر کے یقین سے کہتا ہوں۔ تمہاری گود بھر جائے گی۔"

اس نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ وہ ڈگمگاتے

ہوئے قدموں سے کسی طرح ہانپتی کانپتی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ پھر بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ وہ جیسے ڈوب رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بستر کی سطح پر ادھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ کبھی وہ تکیے کو مٹھی میں بھینچ رہی تھی جیسے ڈوبنے سے پہلے سہارا تلاش کر رہی ہو۔ مگر جس مرد کا سہارا.......... تھا۔ وہ اسے چھوڑ کر دوسری کے پاس گیا ہوا تھا۔

وہ رات اس نے کانٹوں پر گزاری۔ کروٹ کروٹ سوچتی رہی کہ شوہر کے اعتماد کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے۔ عشرت دھوکہ دے رہی ہے۔ اپنے گھر میں چراغ جلانے کے لئے کہیں سے روشنی چرا کر لائی ہے۔ ظفر تمام عمر فریب کھاتا رہے گا۔ اگر ایک نے ایسا کیا ہے تو دوسری کا فرض ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب کا پردہ چاک کرے۔ اگر وہ ظفر کو عشرت کا اصلی چہرہ نہیں دکھائے گی تو آئندہ بھی وہ مکار عورت اس کے شوہر کی عزت اور اعتماد سے کھیلتی رہے گی۔

ظفر حسب دستور صبح سات بجے واپس آیا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ مگر بستر پر لیٹی رہی۔ ظفر تولیہ اٹھا کر غسل خانے کی طرف جانے لگا۔ اس نے مخاطب کیا۔ "سنئے؟"

وہ رک گیا۔ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "میں ایک بہت اہم بات کہنا چاہتی ہوں۔"

"کہہ لینا۔ پہلے میں غسل کر کے آجاؤں۔"

"نہیں میں رات بھر جاگتی اور انتظار میں تڑپتی رہی ہوں۔"

وہ تولیہ کو ایک طرف صوفے پر پھینکتے ہوئے بولا۔ "ایسی اہم بات کیا ہے؟"

"اگر آپ سچ بولنا چاہیں تو بول دیجئے۔ کیا عشرت بچے کی ماں بننے والی ہے؟"

اس نے چونک کر دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"آپ میری بات کا جواب دیں۔"

"نہیں۔ میں صرف آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے اسے لے جا رہا ہوں۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی یہ خوشخبری مجھ پر بجلی بن

کر گرے گی۔"

"جب سے میں نے شادی کی ہے تب سے بات بات پر تم دونوں عورتوں پر بجلیاں گرتی رہتی ہیں۔ اگر آج بھی تمہیں شاک پہنچے گا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔"

"دیکھئے میں آپ کو سچ کہنے پر مجبور نہیں کر سکتی لیکن اب یہ ضد کرتی رہوں گی کہ آپ اپنا طبی معائنہ کرائیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ عشرت کسی کے ساتھ منہ کالا کر چکی ہے۔"

ظفر نے گرج کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ اگر آئندہ تم نے ایسی شرمناک بات زبان سے نکالی تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

وہ تڑپ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ "آپ میری زبان کھینچ لیں گے۔ مجھے جان سے مار ڈالیں گے مگر سچائی کو تو نہیں مار سکیں گے اور سچ بات یہ ہے کہ وہ بہت بڑی حرافہ ہے وہ..........."

تڑاخ سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ لگا۔ وہ بستر پر چاروں شانے چت ہو گئی۔ ظفر گرج رہا تھا۔ "تم عشرت کو نہیں میری مردانگی کو گالی دے رہی ہو۔ خواہ مخواہ میری غیرت کو للکار رہی ہو۔ میں تمہیں آخری وارننگ دیتا ہوں۔ اگر آئندہ تم نے شرمناک باتیں کیں تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔"

وہ غصے سے جلتا ہوا صوفے کے پاس آیا۔ پھر تولیے کو ایک جھٹکے سے اٹھا کر غسل خانے میں گیا۔ دوسرے لمحے وہاں کا دروازہ ایک دھڑاکے سے بند ہو گیا۔ فرزانہ سکتے کے عالم میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دماغ میں طلاق کا لفظ گونج رہا تھا۔ اس کے منہ پر نفرت کا طمانچہ سلگ رہا تھا' دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ نظریں چھت پر جمی ہوئی تھیں اور چھت کی سفیدی پر ڈاکٹر اسلم کی صورت نظر آ رہی تھی۔

☆======☆======☆

مری میں ظفر اور عشرت کے دن بہت اچھے گزرے۔ فرزانہ کے سسرال سے میکے

تک جتنی عورتوں نے عشرت کی عمر کے متعلق سنا تھا ان سب کا یہی خیال تھا کہ دوچار برس میں بوڑھی نظر آنے لگے گی۔ اس کے برعکس ان دنوں وہ کھلے ہوئے گلاب کی طرح تروتازہ نظر آرہی تھی۔ اس کے انگ انگ سے جوانی کی مستیوں کا اعلان ہو رہا تھا۔ ظفر نے ایک دن اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "تم کسی طرح بیمار نظر نہیں آتیں۔"

"میں بیمار کب تھی؟ کراچی میں مسلسل رہتے ہوئے ذرا مرجھا گئی تھی۔ تم نے سمجھا میں بیمار ہوں۔ میں نے بھی بیمار بن کر ڈاکٹر سے کہا کہ وہ مجھے کسی پہاڑی علاقے میں لے جانے کا تمہیں مشورہ دیں۔ کیونکہ ایسے تو تم کراچی سے باہر کبھی نہ نکلتے۔"

"اچھا تو تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"بعض حالات میں مجبوراً یہ دھوکہ دینا پڑتا ہے۔ اگر میں یہ کہتی کہ وہاں ایک کاروباری اور مشینی زندگی گزارتے گزارتے تم کچھ مرجھا گئے ہو تو تمہیں تبدیلی آب وہوا کی ضرورت ہے تو تم ہزار بہانوں کے ساتھ یہ بہانہ بھی کرتے کہ فرزانہ اتنے دنوں کے لئے نہیں چھوڑے گی۔"

"تو اب سمجھا کہ مجھے فرزانہ سے چھین لانے کی کارروائی تھی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے خلاف ایسے ایسے اقدامات کرتی ہو کہ کبھی کبھی تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں کب سچ بولتی ہو اور کب جھوٹ کا سہارا لیتی ہو؟ بہرحال اس حد تک تو میں برداشت کرلیتا ہوں لیکن تم میں سے کوئی جاہلانہ انداز میں گالیوں پر اتر آئے تو یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"میں نے تو کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔"

"فرزانہ نے تمہیں دی تھی۔ میں نے اسے بڑی سخت وارننگ دی ہے۔"

"کیا بات ہوئی تھی؟"

"اس بے وقوف کو پتہ نہیں کیسے یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ تم ماں بننے والی ہو۔"

"کاش ایسا ہوجائے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "اللہ کرے' سوکن کی زبان مبارک ہو۔"

"میں نے اسے سمجھایا کہ یہ جھوٹ ہے لیکن وہ اس بات پر اڑی ہوئی تھی کہ میں بانجھ ہوں اور تم میرے اعتماد کو دھوکہ دے کر کسی کے بچے کو جنم دینے والی ہو۔"

عشرت نے غصے سے کہا۔ "جس کا کردار کمزور ہوتا ہے وہی ایسی باتیں سوچتی اور بولتی ہے۔"

"تم فرزانہ کے خلاف کچھ نہ کہو۔"

"اور اس نے جو اتنی بڑی بات کہہ دی۔"

"میں نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا ہے۔ آئندہ وہ تمہارے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرے گی۔"

عشرت ظفر کے مزاج کو خوب سمجھتی تھی۔ وہ ایک کی زبان سے دوسرے کی برائی نہیں سنتا تھا۔ خواہ وہ فرزانہ ہو یا عشرت۔ وہ دونوں کو سمجھاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف خواہ کچھ کہتی رہیں لیکن کوئی بات تہذیب کے خلاف نہ ہو۔ چار سال کے عرصے میں ظفر نے دونوں کو لگام دینا سیکھ لیا تھا۔

ایک ہفتہ بعد وہ مری سے واپس آگئے۔ ظفر اسے فلیٹ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ممانی نے اس کی بلائیں لے کر کہا۔ "اللہ! میری بیٹی کتنی صحت مند ہو کر آئی ہے۔ میں ابھی نظر اتاروں گی۔"

انہوں نے واقعی نظر اتاری۔ عشرت کو احساس ہوا کہ کراچی پہنچتے ہی پھر اندر ہی اندر کوفت ہونے لگی ہے۔ پھر یہ بات چپکے چپکے نوچتی ہے کہ اپنا آدمی دوسری کے پاس جائے۔ یہی ایک بات ایسی ہے جسے عورت اوپر سے برداشت کرتی ہے لیکن اندر سے گھلتی جاتی ہے۔

ادھر ممانی نے بھی کتنے ہی تعویذ گنڈے کئے تھے۔ مزاروں پر بھی جاتی رہی تھیں۔ عشرت کے لئے پیر فقیروں سے دعائیں لیتی تھیں۔ مگر ایک بچے کی آرزو پوری نہیں ہو رہی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد یقین دلایا کہ وہ ماں بن سکتی ہے۔ اس یقین کے

سہارے وہ اس مبارک گھڑی کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی کبھی یہ سوچ کر صبر کا دامن چھوٹ جاتا تھا کہ فرزانہ پہلے ماں بن گئی تو کیا ہوگا۔ اپنی پوزیشن کمزور ہوجائے گی۔

ایک ماہ کے بعد اچانک ہی ایک دھماکہ ہوا۔ ظفر نے آکر خوشخبری سنائی۔ "فرزانہ امید سے ہے۔"

"کیا؟" عشرت سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھ سکی۔

"بھئی یہ اردو زبان کی خوبصورتی ہے۔ کیا امید سے ہونے کا مطلب نہیں جانتی ہو۔ میری جان! میں باپ بننے والا ہوں۔"

اس نے عشرت کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ عشرت کو اس کی خوشی کی خاطر مسکرانا پڑا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "میری طرف سے مبارکباد قبول کرو۔ مگر ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"ایک ہزار باتیں پوچھو۔"

"آپ تو کہتے تھے کہ آپ کو بچوں کا ارمان نہیں ہے پھر یہ دیوانوں جیسی خوشی کیسی؟"

یہ سوال کرتے ہوئے وہ آہستگی سے اس کے بازو سے الگ ہوگئی۔ وہ ایک گہری سانس کھینچ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہاں! میں نے کبھی سنجیدگی سے نہیں سوچا کہ بچے بھی ہونے چاہئیں لیکن کل رات جب امی نے یہ خبر سنائی اور خواب گاہ میں فرزانہ شرماتے ہوئے میرے بازوؤں میں چھپ گئی تو اچانک مجھے لگا کہ اب میں ایک مکمل آدمی ہوں اور اپنے گھر میں ایک نئے آدمی کو پیدا کررہا ہوں۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اب سمجھ میں آرہی ہے اور میں خوشی سے بے قابو ہو رہا ہوں۔"

عشرت نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ ورنہ خوشی سے گر پڑو گے۔"

اس نے عشرت کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ پھر اسے لئے ہوئے صوفے پر دھپ سے گر پڑا۔ وہ بولی۔ "یہ کیا کر رہے ہو.......... خوشی میں پاگل تو نہیں ہونا چاہئے۔"

اس نے اچانک سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ "کیا میری خوشی سے تمہیں دکھ پہنچ رہا ہے؟"

"میں قاعدے کی بات سمجھا رہی ہوں۔ آپ خود دیکھ لیں وہ دروازہ.........."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کھلے ہوئے دروازے سے ممانی داخل ہوئیں۔ عشرت فوراً ہی ظفر سے الگ ہوگئی۔ ممانی کے ہاتھوں میں مٹھائیوں کی پلیٹ تھی۔ وہ ان کے سامنے میز پر پلیٹ رکھتے ہوئے بولیں۔ "یہ مٹھائیاں ظفر میاں لائے ہیں مجھ سے کہہ رہے تھے کہ کمرے میں لے آئیں گی تو کوئی خوشخبری سنائیں گے۔"

عشرت نے کہا۔ "آپ مٹھائی کھائیں۔ فرزانہ کا پاؤں بھاری ہے۔"

"ہائے بیٹی! کتنے دنوں سے میرے پاؤں بھی.........." وہ کہتے کہتے چونک گئی۔ ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ٹکڑا رہ گیا۔ وہ بولیں۔ "کیا کہا تم نے؟ فرزانہ کا پاؤں بھاری ہے؟ کیا وہ ماں بننے والی ہے؟"

"جی ہاں!" ظفر نے پوچھا۔ "کیا آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟"

وہ مٹھائی کے ٹکڑے کو پلیٹ میں پھینکتے ہوئے بولی۔ "میں تو کبھی نہ کھاؤں۔ واہ بیٹے! یہ بھلا انصاف ہے۔ اُدھر اسے اپنے بچے کی ماں بنا رہے ہو۔ اِدھر میری بچی خالی گود ہے۔"

ظفر نے کہا۔ "آپ بوڑھی تجربہ کار ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ کیا میں جان بوجھ کر ناانصافی کر رہا ہوں؟"

وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔ "تو پھر یہ ناانصافی اللہ کی طرف سے بھی نہیں ہے۔ میری بچی کے پاس ڈاکٹری رپورٹ موجود ہے کہ یہ بانجھ نہیں ہے۔ ماں بن سکتی ہے۔ ماں اسے بننا چاہئے تھا۔ صرف وہ کیسے بن رہی ہے؟"

عشرت نے کہا۔ "ممانی جان! آپ خواہ مخواہ جھگڑے والی بات نہ کریں۔ پلیز ابھی یہاں سے چلی جائیں۔"

"لو جا رہی ہوں۔ مگر ظفر میاں کو میری بات پر ضرور غور کرنا چاہئے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے چلی گئیں۔ ظفر نے ناگواری سے کہا۔ "فرزانہ نے ٹھیک کہا تھا کہ مجھے یہاں اپنی خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں کسی کو خوشی نہیں ہوگی۔"

عشرت نے قریب ہو کر اس کی گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں۔ تم ممانی کی باتوں کا برا نہ مانو۔ وہ مجھے خوش دیکھیں گی تو چپ سادھ لیں گی۔ یہ لو' میں اپنے ہاتھ سے اپنی جان کو مٹھائی کھلاؤں گی۔"

اس نے پلیٹ سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا پھر اس کے منہ کے قریب لا کر پچکارتے ہوئے بولی۔ "آں کرو۔"

وہ اُوں کے انداز میں بیٹھا رہا۔ اس نے اب کی بار پچکارتے ہوئے جبراً اس کے منہ میں مٹھائی ٹھونس دی۔ وہ ہونٹوں کے درمیان مٹھائی دبائے بیٹھا رہا۔ عشرت کو اس پر بڑا پیار آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھام لیا۔ تب اچانک ہی وہ پھٹ پڑی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اپنے آنسوؤں سے اس کے چہرے کو تربتر کرنے لگی۔

ظفر نے بوکھلا کر پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔ تمہارا بچہ میرا بچہ ہے۔ میں اسے خوب پیار کروں گی' خوب پیار کروں گی۔"

اور وہ رو رو کر تڑپ تڑپ کر اسے اطمینان دلاتی رہی۔

صدمات کی آندھی ذرا سست پڑ گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب اتر گیا۔ تب ظفر نے پوچھا۔

"مجھے تمہاری خوشی کا یہ انداز سمجھ میں نہیں آیا۔"

عشرت نے جواباً پوچھا۔ "کیا میرے رونے سے تم یہ سمجھ رہے ہو کہ مجھے تمہارے بچے کی خوشی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم میرے باپ بننے پر خوش ہو۔ تم میرے جسم کے روئیں روئیں سے پیار کرتی ہو۔ اس لئے میرے بچے سے بھی تمہیں بے حد پیار ہوگا۔ مگر تمہارے رونے کا انداز ایسا تھا کہ مجھے اپنی خوشی پر ندامت ہو رہی ہے۔ بڑی شدت سے

یہ آرزو تھی کہ یہ بچہ تم سے ہونا چاہئے تھا۔"

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم بیٹھو۔ میں روٹی پکا کر لاتی ہوں۔"

ظفر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"رات کو سونے سے پہلے تو کھاؤ گے؟"

"آں......... وہ عشرت! بات یہ ہے کہ آج تمہارے پاس رہنے کی باری ہے۔ اگر تم کچھ خیال نہ کرو تو میں فرزانہ کے پاس......... میرا مطلب ہے کہ صرف اس کی دلجوئی کے لئے چلا جاؤں۔ اس کی نئی نئی خوشی ہے۔ اس کے ماں باپ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اگر میں وہاں نہیں جاؤں گا تو........."

"تو تم جاؤ۔"

"مگر تم سوچو گی کہ میں........."

"میں کچھ نہیں سوچوں گی۔"

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی دروازے تک آئی وہ رک کر بولا۔ "تم نے پہلے بھی فرزانہ کے معاملے میں فراخدلی کا ثبوت دیا ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میں صرف تمہاری خوشی کے لئے فراخدل بن جاتی ہوں۔ ورنہ میں عورت ہی ہوں۔"

وہ جانے کے لئے گھوم گیا۔ پھر پلٹ کر اس کے ہاتھ کو محبت سے تھام لیا۔ وہ بولی۔

"بس کرو۔ زیادہ رشوت نہ دو۔"

"تمہاری قسم میں تمہیں بھلا نہیں رہا ہوں۔ یقین کرو وہاں فرزانہ کے پاس بھی تم ہی یاد آتی رہو گی۔"

"ظفر! میں بچی نہیں ہوں۔ دیکھو! سہاگ کی پہلی رات بہت اہم ہوتی ہے۔ دولہا اپنی دلہن کے سامنے ساری دنیا کو بھلا دیتا ہے۔ تم فرزانہ کی پہلی رات میں مجھے بھلا نہ

سکے۔ بے شک میں تمہیں یاد آتی رہی لیکن اب فرزانہ کی خواب گاہ ایک بچے سے منسوب ہوگئی ہے۔ جہاں ایک معصوم بچے کا تصور ہو' وہاں اب عشرت کا جادو نہیں چلے گا۔ جاؤ مجھے نہ بہلاؤ۔"

یہ کہتے ہی عشرت نے پیچھے ہٹ کر دروازے کو بند کرلیا۔ دوسری طرف سے ظفر نے ایک بار آوازی دی۔ پھر بڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ جب یقین ہوگیا کہ وہ جاچکا ہے تو وہ بھیگی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے دروازے سے ہٹ گئی۔ کمرے کے بیچ میں آکر کھڑی ہوگئی۔ چاروں طرف دیواروں پر خوبصورت بچوں کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ظفر نے ایک آدھ بار اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا۔ "بھئی یہ ہمارا پرائیویٹ کمرہ ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ بچے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں ہٹا کر دوسری تصویریں لگاؤ۔"

عشرت نے مسکرا کر جواب دیا۔ "جی نہیں۔ ہماری خواب گاہ میں یہ خوبصورت بچے رہیں گے۔ ماہرین نفسیات بھی یہی مشورہ دیتے ہیں۔ دیکھ لینا ایک دن ہمارے ہاں بھی ایک ایسا ہی پیارا بچہ آئے گا۔"

وہ آنسو بھری آنکھوں سے چاروں طرف گھوم گھوم کر تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اب بچے نظر نہیں آرہے تھے۔ کیونکہ آنسوؤں کے پار دھندلا گئے تھے۔

دوسری رات ظفر آگیا۔ مگر وہ کچھ پریشان سا تھا۔ اس نے بتایا کہ فرزانہ کی طبیعت گری گری سی رہتی ہے۔ ایک لیڈی ڈاکٹر توجہ سے اس کا علاج کر رہی ہے۔ عشرت نے کہا۔ "اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ایسے موقعوں پر سبھی عورتوں کی طبیعت بگڑتی رہتی ہے۔"

"مجھے بچے کی فکر ہے۔ وہ ٹھیک سے پیدا ہوجائے گا نا؟"

"تم عجیب آدمی ہو۔ سارے جہاں کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بھی پیدا ہوگا۔"

"تم میرے احساسات کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس دنیا میں پہلی بار ایک بچہ پیدا ہو رہا ہے۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ خاص اہتمام ہونا چاہئے۔"

"کیا اہتمام ہونا چاہئے؟ کیا تمہارے بچے کو دو چار عورتیں مل کر پیدا کریں گی؟"

"تم میرے جذبات کو نہیں سمجھ رہی ہو۔ دراصل اہتمام یا توجہ فرزانہ کے لئے ہونا چاہئے۔ فرزانہ کے کھانے پینے اور صحت کا خیال جتنا رکھا جائے گا۔ اتنا ہی بچہ صحت مند پیدا ہوگا۔ کراچی کا موسم ٹھیک نہیں ہے۔ فرزانہ کو ایک آدھ ماہ کے لئے پہاڑی علاقوں میں لے جاؤں گا۔"

عشرت کو چپ لگ گئی۔ ظفر بڑی دیر تک فرزانہ اور ہونے والے بچے کے متعلق بولتا رہا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ عشرت گم صم بیٹھی ہے۔ وہ اسے اپنے قریب کرکے بولا۔ "تمہیں بھی ساتھ لے چلوں لیکن تم اور فرزانہ آگ اور پانی ہو' ایک جگہ نہیں رہ سکتیں۔"

وہ خاموش رہی۔ ظفر نے دیواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے جتنے بچوں کی تصویریں لگائی تھیں یہ سب ہی خوبصورت ہیں مگر اس سامنے والے بچے کا تو جواب نہیں ہے۔ تم دیکھ لینا ایک دن تمہاری گود میں ایسا ہی خوبصورت بچہ ہوگا۔"

عشرت نے آنکھیں بند کرلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے وہ بچہ مسکرا رہا تھا۔ ظفر کی زبان بولنے والے سپنے کانوں میں گونج رہے تھے۔ سوچ نگر کی زرخیز زمین پر ننھی مسکراہٹوں کی فصل اُگ رہی تھی اور وہ فصل کے ایک ایک دانے کو چومتی جارہی تھی۔

"میرے معصومو! کہاں رہ گئے۔ آبھی جاؤ.........."

ایک ہفتے کے بعد ظفر ایک ماہ کے لئے رخصت ہوگیا۔ شادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اتنے لمبے عرصے کے لئے اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ یوں تو کتنے ہی مرد اپنی عورتوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔ مگر یہ اعتماد چھوڑ کر بھی جاتے ہیں کہ دور دیس میں انہیں یاد کرتے رہیں گے اور ظفر سے یہ توقع نہیں تھی کیونکہ توجہ ہٹانے کے لئے اس کے پاس فرزانہ موجود تھی۔ جس طرح ایک ٹافی دکھا کر بچے کو پاس بلایا جاتا ہے' اسی طرح فرزانہ اپنے بچے کی خیالی تصویر دکھا کر ظفر کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

وہ وعدہ کرکے گیا تھا کہ جاتے ہی خط لکھے گا۔ عشرت کو خط سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ رسمی باتیں لکھی جائیں گی۔ اسے بہلانے کے لئے باسی لفظوں کے پھول پیش کیئے جائیں گے۔ اسے انتظار نہیں تھا لیکن جب ایک ہفتے تک خط نہیں آیا تو انکشاف ہوا کہ وہ غیر شعوری طور پر انتظار کر رہی ہے۔ دس دنوں کے بعد دل نے کہا "خالی لفافہ ہی آجائے۔ اس لفافے پر عشرت کا جو نام لکھا ہوگا' وہ ظفر کے ہاتھ سے لکھا ہوگا۔"

بارہ دنوں کے بعد وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ دو ہفتے بعد اعتماد دم توڑنے لگا۔ تیسرے ہفتے کی ایک شام وہ خوب روئی۔ رو رو کر خود کو ہلکان کرلیا۔ صوفے پر نڈھال سی ہوکر پڑی رہی اور سامنے ایک بچے کی تصویر کو دیکھتی رہی۔ ممانی نے رات کو کھانے کے لئے آواز دی۔ اس نے انکار کردیا آدھی رات کو وہ صوفے سے اٹھ کر دیوار کے پاس گئی۔ تصویر کو اتارا اور اسے اسٹور روم میں پہنچا دیا۔ پھر کمرے میں آکر دوسری تصویر اتارنے لگی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ اپنے اندر موجود نہیں ہے اور ان معصوم تصویروں کے ساتھ اسٹور روم کی قبر میں دفن ہوتی جارہی ہے۔

خواب گاہ کی دیواریں خالی گود کی طرح ننگی ہوگئیں۔ اگر ہر دیوار سے آرزوؤں کی تصویریں مٹ جائیں' نگاہوں کے سامنے سے رنگ اڑ جائیں گھر کی چھوٹی سی دنیا بھی نظاروں سے خالی ہوجائے تو زندہ رہنے کے لئے کچھ نہیں رہ جاتا۔ تب بھی انسان مایوس نہیں ہوتا۔ زندگی کے سادے کینوس پر آڑی ترچھی لکیروں سے پھر نئی تصویریں بنانے کی کوششیں کرنے لگتا ہے۔ پہلے عشرت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی ویران خواب گاہ میں صبح سے شام کس طرح کرے اور شام سے صبح تک رات کیسے گزارے۔ آخر وہ گھبرا کر اپنے گھر سے نکل گئی۔ خود کو مصروف رکھنے کے لئے اس نے سلائی سکھانے کے ایک سینٹر میں داخلہ لیا۔ وہاں اس کے دو گھنٹے گزرنے لگے۔ سینٹر تک آنے جانے میں ایک گھنٹہ ضائع ہوتا تھا۔ پھر اس نے انگریزی روانی سے بولنے کے لئے امریکن سینٹر میں بھی داخلہ

لیا۔ ہر دوسرے تیسرے روز کبھی کوئی ناول یا معلوماتی کتابیں خرید کر پڑھنے لگی۔

یہ علاج کامیاب رہا۔ ظفر کی بے مروتی سے جو داغ لگا تھا۔ اس سے اٹھنے والی ٹیسیں ہلکی پڑگئی تھیں۔ سوکن کی کامیابی پر جلنے کڑھنے میں جو وقت گزرتا' وہ وقت تعمیری مصروفیات میں گزرنے لگا۔ ایک ماہ بعد ظفر کا خط آیا۔ اس نے جلدی خط نہ لکھنے پر شرمندگی کا اظہار کیا تھا۔ اپنی بہت سی پریشانیوں اور مجبوریوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ وہ مری سے واپس آگئے ہیں مگر لاہور میں فرزانہ کے رشتہ داروں نے روک لیا ہے اور اب اور دو ہفتے بعد واپسی ہوگی۔

عشرت نے خط پڑھ کر صوفے پر پھینک دیا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ پریشانیاں نہیں ہیں البتہ ایک مجبوری ہے کہ فرزانہ اسے لئے لئے پھر رہی ہے اور وہ اسے خوش رکھنے کے لئے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے۔ جیسے شادی سے پہلے عشرت کے پیچھے پھرتا تھا جب محبت کے فریب میں بہت ساری زندگی گزر جاتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ محبت روح کی گہرائیوں سے نہیں صرف مادی ضرورت سے ہوتی ہے۔ پہلے ظفر کو عشرت کے حسن وشباب سے محبت تھی بلکہ حسن و شباب کی ضرورت تھی۔ لڑکیوں کے بھرے بازار میں یہ ضرورت کی چیز کہیں بھی خریدی جاسکتی تھی لیکن دس مختلف جوتیوں میں کوئی ایک ڈیزائن کی جوتی پہننے کے لئے پسند آتی ہے۔ اس پسند کو محبت نہیں کہہ سکتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر آج بھی ظفر کو عشرت کے پیچھے بھاگنا چاہئے تھا لیکن آج بچہ اس کی ضرورت تھا اور ضرورت وہ ڈائن ہے جو آدمی کے آگے نئی محبت کا چارہ ڈال کر پرانی محبت کا خون چوس لیتی ہے۔

دو ماہ کے بعد ظفر واپس آیا۔ اس کے لئے کچھ تحفے لایا.......... وہ.......... آنسوؤں کو پیچھے دھکیل کر مسکراتی رہی۔ رات کو جب وہ بہت زیادہ ہنستے بولتے.......... تھک کر سو گیا تو عشرت کو اس پر بڑا پیار آیا۔ وہ بڑی دیر تک اس کا سر سہلاتے ہوئے سوچتی رہی کہ وہ کتنا خوش ہے۔ اتنا خوش کہ اس کے چھپے ہوئے دکھ کو نہیں سمجھ رہا ہے اور کوئی اپنی مسرتوں کے ہجوم میں دوسروں کے دکھ کو کیوں سمجھے؟ یہ نادانی اور خود غرضی ہے کہ ہنستے

بولتے آدمی کو اپنے آنسوؤں سے رلایا جائے۔

دوسری صبح عشرت نے خوب ہنستے بولتے ہوئے اسے رخصت کیا۔ اس کے جانے کے بعد ممانی نے کمرے میں آکر کہا۔ "بیٹی! ایک کپ چائے اور پی لو۔"

"چلئے! میں کچن میں ہی چل کر پی لوں گی۔"

ممانی نے ننگی دیواروں کو دیکھ کر کہا۔ "ظفر نے پوچھا تو ہوگا کہ تصویریں کہاں گئیں؟"

عشرت کے دل پر چوٹ لگی۔ وہ اپنے بچے کی خوشی میں اتنا مگن تھا کہ اسے خالی دیواریں نظر نہیں آئیں۔ وہ جھوٹے منہ ہی پوچھ لیتا کہ اس کے خیالی بچے کہاں کھو گئے ہیں؟

وہ جبر کرتے ہوئے بولی۔ "انہوں نے پوچھا تھا۔ میں نے جواب دے دیا۔" یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

جب وہ چائے پی کر اپنے کمرے کی طرف آنے لگی تو کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اس نے دروازے کے پاس پہنچ کر اسے کھولا۔ ڈاکٹر اسلم نے مسکرا کر کہا۔ "ہیلو عشرت کیا ظفر موجود ہے؟"

"نہیں' وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے گئے ہیں۔"

"چلو اچھا ہے۔ میں تم سے بہت ضروری باتیں کرنے آیا ہو۔"

"آپ کو ضروری باتیں ظفر سے کرنا چاہئے۔"

"ان باتوں کا تعلق فرزانہ سے ہے اور تم سننا پسند کرو گی۔"

عشرت نے سوچتی نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے خواب گاہ میں پہنچے۔ ڈاکٹر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ "ارے یہ بچوں کی تصویریں کہاں گئیں؟"

عشرت نے پوچھا "آپ چائے پیئں گے؟"

"نو تھینک یو۔ ویسے یہ افسوس کی بات ہے کہ ادھر بچے کی آمد آمد ہے اور اِدھر ایک تصویر بھی نہیں ہے۔"

"آپ کچھ ضروری باتیں کرنے آئے ہیں۔"

"ہاں فرزانہ کے متعلق' وہ ماں بننے کی دوڑ میں تم سے آگے نکل گئی۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اس دنیا میں اپنا قد ذرا اونچا رکھنے کے لئے تھوڑی سی بے ایمانی کرنی پڑتی ہے۔ میری یہ بات سن کر تم نے مجھے جھڑک دیا تھا لیکن فرزانہ نے یہی کیا۔ ایک ذرا سی بے ایمانی' جسے کوئی پکڑ نہیں سکتا اور وہ جیت گئی۔"

عشرت پہلے تو یہ بات سن کر چونک گئی۔ پھر بے یقینی سے بولی۔ "کیا آپ مجھے فرزانہ کے خلاف بھڑکانے آئے ہیں۔"

"نہیں تمہیں حقیقت بتانے اور یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تمہاری پارسائی تمہیں کتنی مہنگی پڑ رہی ہے۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ فرزانہ پارسا نہیں ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "سب سے بڑا ثبوت تمہاری پارسائی ہے۔ جب بھی تم فرزانہ کا حوصلہ پیدا کرو گی۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ظفر بانجھ ہے۔"

"آپ اب تک خاموش کیوں تھے؟ آج بھی کیوں بتا رہے ہیں۔"

"میں کینیڈا گیا تھا کل واپس آیا ہوں۔ آتے ہی خوش خبری ملی کہ میرا علاج کامیاب رہا ہے۔"

عشرت نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا۔ پھر نفرت سے بولی۔ "میں ابھی تمہارے منہ پر تھوک کر تمہیں بے عزت کر کے یہاں سے نکال سکتی ہوں مگر میں پہلے اس معاملے پر غور کروں گی۔ اگر یہ سچ ہوا تو شیطان کے منہ پر تھوکنا مناسب نہیں ہوگا۔ اپنے کئے کی سزا انسان کو ہی ملتی ہے۔ اس لئے فرزانہ کو سزا ملے گی۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔"

"عقل سے سوچو۔ تم فرزانہ کے خلاف کچھ نہیں کرسکو گی۔ دنیا میں جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی تصدیق مائیں کرتی ہیں کہ ان کا باپ کون ہے۔ تمہاری چیخ و پکار ایک سوکن کی مخالفت اور دشمنی سمجھی جائے گی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ پھر دروازے کے پاس رک کر بولا۔ میری ایک کمزوری ہے کہ میں حسن پرست ہوں اور ایک خوبی ہے کہ جس کو چاہتا ہوں اس کا برا نہیں چاہتا۔ میں فرزانہ کو بھی بدنام نہیں ہونے دوں گا میں تمہاری بھی نیک نامی چاہتا ہوں۔ ایسی نیک نامی جو چور دروازے سے ملتی ہے۔"

وہ مٹھیاں بھینچ کر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ وہ تیزی سے پلٹ کر چلا گیا۔ عشرت نے آگے بڑھ کر دروازے کو بند کردیا۔ شیطان کے سامنے شیطان پر غصہ آرہا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو اس کی باتیں دماغ میں گونجنے لگیں۔ نگاہوں کے سامنے فرزانہ پھرنے لگی۔ وہ ایک خوبصورت سے بچے کو بانہوں کے پالنے میں جھلاتے ہوئے جھوم رہی تھی۔ اسے لوری سنا رہی تھی۔ کیا معصوم بچوں کو سنائی جانے والی لوریوں کا تقدس بھی پامال کیا جاتا ہے؟ کیا فرزانہ نے ظفر کے اندھے اعتماد سے فائدہ اٹھایا ہے؟

ہاں' عشرت کو یقین آنے لگا۔ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی دوڑ میں آدمی بے ایمانی کے پہیے اپنے پاؤں میں باندھ لیتا ہے۔ فرزانہ نے بھی یہی کیا ہے۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئی ہے۔ اس نے خود کو گرا کر مجھے ظفر کی نظروں سے گرایا ہے۔ یہ کیا زمانہ آگیا ہے؟ خود کو گراؤ تو بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا کہ یہ بلندی وہ بھی حاصل کرسکتی ہے۔ ظفر پھر اس کے پاس دوڑا دوڑا آئے گا اس کے بچے کو چوم چوم کر کہے گا۔ "میری جان! یہ تو فرزانہ کے بچے سے زیادہ خوبصورت اور صحت مند ہے۔ اس کی بڑی بڑی معصوم آنکھوں سے تمہاری غزالی آنکھیں جھانک رہی ہیں۔ تم نے اس بچے کو اپنا روپ دے دیا۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔ میرا بیٹا! میرا چاند......" ظفر

ایسا کہہ کر بچے کو دیوانہ وار چومتا رہے گا۔ جب مرد اپنے بچے کو چومتا ہے تو بالواسطہ وہ پیار بچے کی ماں کو ملتا ہے۔

ہائے کیسے سہانے تصورات تھے۔ گناہ کا تصور سارے جہاں کے تصورات سے زیادہ سہانا اور پُرکشش ہوتا ہے لیکن شوہر اور بچے کے پیار کے درمیان کہیں سے گندے خیال کا چھینٹا آیا تو وہ چونک گئی۔ اپنے اوپر لعنت بھیجی۔ ایک صوفے میں دھنس کر سر کو تھام لیا اپنے اندر گھس آنے والے شیطان کو پتھر مار کر بھگانے لگی۔

ہم انسانوں کے درمیان ایک زمانے سے شیطان کو چھوٹ ملی ہوئی ہے اس لئے ایک کے بعد دوسرا انسان آسانی سے بہک جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگی۔ فرزانہ کا بھانڈا پھوٹنا چاہئے۔ گناہ کی روک تھام لازمی ہے۔ ورنہ یہ مرض آگے بڑھے گا۔ یہ چھوت کی بیماری ایک سوکن سے دوسری سوکن کو لگے گی۔ ایک گھر میں ٹی وی ہے تو دوسرے کے گھر میں بھی ہونا چاہئے۔ ایک کے پاس بچہ ہے تو دوسری کی گود میں بھی ہونا چاہئے۔ خواہ کہیں سے آئے۔ نہیں نہیں۔ اس بے حیائی کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

وہ صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ کچھ دیر سوچتی رہی پھر دوسرے کمرے میں جاکر ماموں سے بولی "آپ ذرا ظفر کے دفتر چلے جائیں۔ ان سے کہئے کہ میں نے بہت ضروری کام سے بلایا ہے۔ کم از کم آدھ گھنٹے کے لئے آجائیں۔ ابھی نہ آسکیں تو شام کو آجائیں۔"

ماموں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ "اگر ظفر میاں دفتر میں نہ ملیں تو؟"

"تو آپ ان کی کوٹھی میں جاکر میرا پیغام دیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اب جائیے۔"

وہ چلے گئے۔ عشرت اپنے کمرے میں آکر بہت زیادہ اضطراب میں مبتلا ہوگئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ صوفے پر بیٹھ جائے۔ ٹہلتی رہے یا بستر پر کروٹیں بدل بدل کر ظفر کا انتظار کرے۔ کیسے وقت گزارے کہ آنکھ بند کرکے کھولے تو وہ سامنے ہو اور وہ فرزانہ کے خلاف خوب دل کی بھڑاس نکالے۔

ان حالات میں ٹہلتے رہنے سے ہی سکون ملتا ہے۔ وہ مسلسل دو گھنٹے تک کمرے کے

اندر پھرتی رہی۔ پھر ماموں نے آکر کہا۔ "بیٹی! ظفر میاں حیدر آباد گئے ہیں۔ ان کی واپسی کل ہوگی۔"

وہ ایک دم سے مایوس ہوگئی۔ ایسا لگا جیسے ابھی تک وہ خوشی سے چل رہی تھی۔ اب اچانک منہ کے بل گر پڑی ہے۔ اگرچہ بظاہر کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ تاہم دماغ کے کسی گوشے میں فرزانہ کو بے نقاب کرنے کی چور خوشی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کو کس نے بتایا کہ وہ حیدر آباد گئے ہیں؟"

"میں پہلے دفتر گیا تھا۔ وہاں ایک ملازم نے بتایا کہ وہ آج کل دفتر نہیں آتے ہیں۔ پھر میں نے دفتر سے ان کی کوٹھی میں فون کیا۔"

وہ غصے سے بولی۔ "میں نے آپ کو فون کرنے نہیں، کوٹھی میں جانے کے لئے کہا تھا۔"

ماموں سہم کر بولے۔ "بیٹی! کوٹھی جاؤں تو کوئی سیدھے منہ بات نہیں کرتا اور اب تو تمہاری سوکن ماں بننے والی ہے۔ وہاں سب کے دماغ آسمان پر ہوں گے۔ فون پر فرزانہ نے ہی کہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر پہلے حیدر آباد جاچکے ہیں اور کہتے ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔ بیٹی! میں نہیں چاہتا کہ وہاں جاؤں تو وہ لوگ میری آڑ میں تمہاری بے عزتی کریں۔"

وہ نرمی سے بولی۔ "ٹھیک ہے آپ جائیں۔"

وہ کمرے سے چلے گئے۔ اب عشرت کا دل کہہ رہا تھا کہ ظفر حیدر آباد نہیں گیا ہے۔ فرزانہ نے جھوٹ بول کر ماموں کو ٹال دیا ہے اور ظفر کو اپنے پاس چھپایا ہے۔ مگر ظفر کیسے چھپ گیا۔ اسے معلوم تو ہوا ہوگا کہ عشرت کا پیغام آیا ہے کیا ظفر بھی جان بوجھ کر کترا رہا ہے؟

عشرت کو طرح طرح کے خیالات پریشان کرنے لگے۔ کتنی بار اس نے سوچا کہ وہ خود کوٹھی میں جاکر ظفر کو پکڑ لائے۔ مگر یہ مناسب نہ تھا۔ ظفر سچ مچ حیدر آباد میں ہوتا تو کوٹھی میں جاکر اسے سبکی ہوتی۔ پھر وہ فرزانہ کے منہ لگنا نہیں چاہتی تھی۔

عشرت کے لئے وہ دن گزارنا مشکل ہوگیا۔ شام تک کمرے کی چاردیواری میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ امریکن سینٹر جانے کے لئے گھر سے نکل گئی۔ اس وقت انگریزی زبان سیکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اس بہانے وہ چند گھنٹے کھلی فضا میں رہنا چاہتی تھی اور یہ اچھا ہی ہوا۔ دنیا کا تجربہ حاصل کرنے کے لئے، لوگوں کے اصلی چہرے پڑھنے کے لئے گھر سے نکلنا چاہئے۔ امریکن سنٹر کے قریب ایک فٹ پاتھ پر چلتے وقت وہ ذرا دور ظفر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ آگے چوراہے پر سگنل نہ ملنے کے باعث وہ کار بہت سی گاڑیوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

وہ تیزی سے ادھر بڑھنے لگی۔ اب اسٹیئرنگ سیٹ پر ظفر نظر آرہا تھا۔ سگنل کی روشنی سبز ہوگئی تھی۔ کار آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے دور ہونے لگی۔ پھر ایک لمحہ ایسا آیا کہ عشرت قریب پہنچی اسی لمحے کار کو گزرنے کا راستہ ملا تو وہ فراٹے بھرتی ہوئی دور جاتے ہوئے ٹریفک کی بھیڑ میں گم ہوگئی۔ اسی لمحے عشرت نے فرزانہ کو بھی اگلی سیٹ پر دیکھ لیا تھا۔ وہ تھوری دیر تک گم صم کھڑی رہی۔ دل سینے کے اندر ڈوب رہا تھا ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ٹانگیں کمزور ہوجائیں یا شوہر بے مروت ہوجائے تو دونوں صورتوں میں عورت گر پڑتی ہے۔ عشرت نے گرنے سے پہلے فٹ پاتھ کے ایک درخت کا سہارا لے لیا۔

جب وہ ایک ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر فلیٹ کی طرف جارہی تھی تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کار میں بیٹھی ہے اور اگلی سیٹ پر ظفر فرزانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ شوہر کے شانہ بشانہ بیٹھنے کے لئے فرزانہ نے بڑی مکاری سے عشرت کو پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا تھا۔ وہ پیچھے سے آگے نہیں آسکتی تھی۔ آگے مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے ظفر کے برابر والی سیٹ بڑی مہنگی تھی۔ فرزانہ نے اس کی قیمت ادا کی تھی۔ عشرت کے پاس ایسا حوصلہ نہیں تھا۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچی تو ڈاکٹر اسلم کی باتیں دماغ میں گونجنے لگیں بہت پہلے ڈاکٹر نے اس سے کہا تھا۔ "یہ زمانہ بہت تیز رفتار ہے۔ ایسا تیز رفتار کہ زمین پر پوری قوت

سے دوڑتے رہو۔ تب بھی جلدی منزل نہیں ملتی۔ بے ایمانی اور بے حیائی کے پر لگا کر اڑو تو منزل خود بخود قدموں تلے آجاتی ہے۔"

اور آج فرزانہ نے ظفر کو قدموں تلے رکھ لیا تھا۔

عشرت نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا تھا۔ فرزانہ ایک آسیب کی طرح اس کے حواس پر چھا رہی تھی۔ اس کی کامیابی اس کے کلیجے کو نوچ رہی تھی۔ ظفر پر تعجب ہو رہا تھا کہ مرد کتنی جلدی بدل جاتا ہے اور کتنی آسانی سے احمق بھی بن جاتا ہے۔ جو منہ پر کالک لگا دیتی ہے اسے ہی منہ لگاتا ہے اور جو کالک کو دھونا چاہتی ہے اس سے کتراتا ہے۔

اس نے رات کو کھانا نہیں کھایا۔ صبح تک انگاروں کے بستر پر لوٹتی رہی۔ پہاڑ جیسی رات کاٹنے کے بعد اس نے غسل کرکے لباس تبدیل کیا۔ ممانی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ تیار کیا۔ پھر گھر سے نکل گئی۔ ارادہ تھا کہ کہیں سے ٹیلی فون پر ظفر سے بات چیت کرے گی لیکن اتنی صبح کوئی دکان نہیں کھلی تھی کہ کسی دکان کا ٹیلیفون استعمال کر سکتی۔ لہٰذا وہ ایک رکشہ میں بیٹھ کر کوٹھی میں پہنچ گئی۔

ایک ملازم نے اس کے لئے احاطے کا پھاٹک کھولا۔ کوٹھی کا دروازہ بند تھا۔ عشرت نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ تھوڑی دیر بعد بیگم نے دروازہ کھولا۔ پھر اسے دیکھتے ہی دوبارہ بند کر دیا۔

وہ چیخ کر بولی۔ "دروازہ کھولئے۔ میں ظفر سے ملنے آئی ہوں۔"

بیگم نے اندر سے کہا۔ "ظفر سے ملنا ہے تو باہر ملو۔ اپنے گھر میں ملو اس گھر میں میری بہو ماں بننے والی ہے میں تمہاری جیسی بانجھ اور منحوس عورت کا سایہ اس پر پڑنے نہیں دوں گی۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ میں ان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ دروازہ کھولئے۔"

دروازہ نہیں کھلا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دستک دیتی رہی مگر اندر سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ اتنی دیر میں ظفر اور فرزانہ کی خوابگاہ تک اس کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی ہوگی لیکن ظفر بھی دروازہ کھولنے نہیں آیا تھا۔ عشرت نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "میں دیکھوں گی کہ یہ دروازہ کب تک نہیں کھلے گا اور جب تک نہیں کھلے گا میں یہاں بیٹھی رہوں گی۔"

وہ طنطناتے ہوئے لان میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ کوٹھی کے اندر یوں لگتا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ کسی کی آواز نہیں آرہی تھی۔ شاید سرگوشیوں میں باتیں ہو رہی تھیں۔ آئی بلا کو ٹالنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ پھر دن کے دس بج گئے اسے اپنی توہین کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ فرزانہ کی قدر بڑھ گئی تھی اور اس کی بے قدری ہو رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ ان بے حس اور بے غیرت لوگوں کے ہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔ اس وقت احاطے کے پھاٹک کے سامنے ایک ٹیکسی آکر رکی۔

عشرت نے اپنی جگہ سے اٹھ کر حیرانی سے دیکھا۔ ظفر ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کر رہا تھا۔ پھر اس نے احاطے میں داخل ہو کر عشرت کو دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔ "تم یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

وہ لان میں پہنچ گیا۔ اسی وقت کوٹھی کا دروازہ کھلا۔ بیگم، فرزانہ اور عظیم صاحب نظر آئے۔ بیگم نے کہا۔ "بیٹا! یہ صبح چھ بجے سے آکر بیٹھی ہے کل ہی اس کے ماموں کو بتا دیا تھا کہ تم حیدر آباد گئے ہو۔ مگر یہ یہاں آکر ہمیں پریشان کر رہی ہے۔"

فرزانہ نے کہا۔ "یہ سمجھ رہی ہوگی کہ میں نے آپ کو گھر میں چھپا رکھا ہے ان بیگم صاحبہ کو سمجھائیے یہ شریفوں کا گھر ہے۔ یہاں آکر چیخ و پکار مچائے گی تو محلے پڑوس والے خوب نام رکھیں گے آپ کا۔"

ظفر نے سخت لہجے میں کہا۔ "عشرت! کیا تمہیں میری عزت کا خیال نہیں ہے؟"

عشرت نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں عزت کا خیال ہے تو کوٹھی کے اندر چل کر باتیں کرو۔"

"آؤ۔" وہ غصے میں آگے بڑھ کر کوٹھی کے اندر گیا۔ اس کے پیچھے عشرت ڈرائنگ روم میں آئی۔ عشرت کے پیچھے ظفر کا پورا خاندان آگیا۔ وہ بولا۔ "اب بتاؤ! وہاں کیا تماشہ کر رہی ہو؟"

"میں ابھی بتاتی ہوں۔ پہلے اتنا بتا دو کہ حیدر آباد میں رات کہاں گزاری؟ کسی دوست کے ہاں یا کسی ہوٹل میں؟ ان چار برسوں میں میری معلومات یہ ہیں کہ وہاں تمہارا کوئی دوست یا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔"

"میں ایک ہوٹل میں تھا۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس لئے کہ تم یہ لباس پہن کر بس یا ریل میں حیدر آباد گئے۔ یہی لباس پہن کر ہوٹل میں رات گزاری۔ مگر نہ تو لباس میں کوئی شکن ہے نہ سفر کی گرد ہے۔ تم ابھی اس کوٹھی کی خواب گاہ سے یہ لباس پہن کر پچھلے دروازے سے باہر گئے تھے اور کہیں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔"

"کیا تم مجھے جھوٹا اور فریبی سمجھ رہی ہو۔ جبکہ میں تمہارے سامنے ابھی حیدر آباد سے یہاں پہنچا ہوں۔"

"تم کل سے یہیں ہو۔ کل شام کو ساڑھے چھ بجے میں نے تمہیں اور فرزانہ کو ناظم آباد سے کار میں گزرتے دیکھا ہے۔"

پہلے تو وہ بوکھلایا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ تمہیں دھوکہ ہوا ہے۔"

"ہاں! دھوکہ تو بہت بڑا ہوا ہے۔ اب مجھے پتہ چل رہا ہے۔ اب سے پہلے مجھے تم پر بڑا اعتماد تھا۔"

"دیکھو عشرت! میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ یہاں جھگڑنے والی باتیں نہ کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ یہاں سختی سے پیش آؤں اور تمہاری توہین ہو۔"

"تمہارے لوگوں کے سامنے اور میری توہین کیا ہوگی کہ میں باہر بیٹھی رہی اور تم یہاں چھپ کر مجھے تماشا بناتے رہے۔ اپنے لوگوں کو یہ تاثر دیتے رہے کہ میں تمہارے پیچھے بھاگتی ہوں اور تم مجھ سے پیچھا چھڑاتے ہو۔"

"کیا تم یہی بکواس کرنے آئی ہو؟"

وہ چند لمحوں تک خاموش رہی۔ یہ سوچتی رہی کہ ظفر کو فریب دہی کا الزام دینا فضول ہے۔ یہ تسلیم نہیں کرے گا جس مقصد کے لئے وہ آئی ہے اسی کے متعلق گفتگو ہونی چاہئے۔ یہ سوچ کر اس نے کہا۔ "تم ابھی میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

"میں اپنے لئے نہیں تمہارے لئے کہہ رہی ہو۔ باپ بننے کے سلسلے میں تمہارا ڈاکٹری معائنہ ہونا چاہئے۔"

وہ گرج کر بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو؟"

فرزانہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ گھبرا کر رونے کے انداز میں بولی۔ "ہائے! یہ تو مجھے گالی دے رہی ہے۔ آپ پر کیچڑ اچھال رہی ہے۔ میں یہ ذلت برداشت نہیں کروں گی۔"

عشرت نے نفرت سے کہا۔ "تم جو ذلالت کر چکی ہو اور سرخرو بن کر رہ رہی ہو۔ میں اس کا بھانڈا پھوڑ کر رہوں گی۔"

بات ختم ہوتے ہی ظفر نے اس کے منہ پر ایک زور دار طمانچہ رسید کیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ وہ ہکا بکا سی رہ گئی۔ کیونکہ ظفر نے پہلے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا اور آج وہ اس کی سوکن کے سامنے تھپڑ مار کر جیسے ذلیل کر چکا تھا۔ اس ذلت کو وہی سمجھ رہی تھی۔ اب اس کے دماغ میں آندھی چل رہی تھی۔ چاروں طرف سے لعن طعن کی آوازیں آرہی تھیں۔ بیگم اور عظیم صاحب اسے لفظوں کے پتھر مار رہے تھے۔ فرزانہ اپنے سینے کو پیٹ پیٹ کر اپنی پارسائی کا یقین دلانے کے لئے ظفر کی اپنے

سہاگ کی قسمیں کھا رہی تھی اور دھمکیاں دے رہی تھی کہ ایسے گھر میں نہیں رہے گی جہاں اس کی شرافت پر شبہ کیا جاتا ہے اور عزت کو خاک میں ملانے کی کوشش کی جارہی ہے۔"

ظفر نے غصے سے عشرت کے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "تم نے سوتاپے میں ایسی بات کہہ دی ہے جسے فرزانہ تو کیا کوئی بھی عورت برداشت نہیں کرسکتی۔ تم ابھی میرے سامنے' سب کے سامنے فرزانہ سے معافی مانگو۔"

عشرت نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر دانت پیستے ہوئے ظفر کو غصے سے دیکھا پھر کہا۔ "جب تمہاری ڈاکٹری رپورٹ فرزانہ کے حق میں ہوگی تو میں معافی مانگ لوں گی۔"

وہ گھونسہ دکھا کر بولا۔ "میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔ کیا دنیا کے سارے لوگ باپ بننے سے پہلے ڈاکٹری معائنہ کراتے ہیں۔"

وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ "بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ ہمارے حالات کا تقاضہ یہی ہے۔"

"کیا حالات ہیں میرے؟ میں خود کو سمجھتا ہوں کہ میں بالکل نارمل ہوں میں نے پہلے بچے کی خواہش نہیں کی۔ خواہش کی تو اب باپ بننے والا ہوں البتہ تم نارمل نہیں ہو۔ میں تمہیں کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ ماہر اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ تم فرزانہ کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو یہ خدا کی دین ہے وہ ماں بن رہی ہے۔ قدرت ابھی تم پر مہربان نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم حسد کی آگ میں جلو اور فرزانہ کو بدنامی کی آگ میں جلاؤ۔ ایسا شرمناک الزام لگاتے ہوئے شرم سے مرجانا چاہئے۔"

"بیگم نے کہا جو پیدائشی بے شرم ہو اسے شرم نہیں آتی۔"

عشرت چیخ کر بولی۔ "میں نہیں' وہ بچہ پیدائشی بے شرم کہلائے گا۔ جسے تمہاری بہو جنم دینے والی.........."

اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی تڑاخ تڑاخ طمانچے پڑنے شروع ہوگئے۔ کبھی

منہ پر کبھی سر پر' کبھی گردن پر ظفر کے ہاتھ پڑ رہے تھے۔ وہ مارتا جارہا تھا اور بولتا جارہا تھا "تم گندی نالی کا کیڑا ہو۔ میرے بچے پر بھی کیچڑ اچھال رہی ہو۔ تم کسی شریف گھرانے میں قدم رکھنے کے قابل نہیں ہو۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔"

وہ غصے سے فرزانہ کے پاس گیا۔ مگر محبت سے اسے ایک بازو میں سمیٹ کر عشرت سے بولا۔ "اب اگر تم نے میرے بچے کے لئے ایک بھی غلط بات کہی تو میں اسی وقت تمہیں طلاق دے دوں گا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

وہ مسلسل مار کھانے کے بعد فرش پر اوندھے منہ گر پڑی تھی۔ طلاق کی بات پر اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ ظفر اپنے بازو میں فرزانہ کو سمیٹ کر وہاں سے جارہا تھا۔ عشرت کے بال بکھر گئے تھے۔ منہ سے کچھ لہو نکال تھا جو ہونٹوں پر پھیل گیا تھا۔ چہرے پر کہیں کہیں انگلیوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔ بیگم نے اسے حقارت سے دیکھا پھر تھو کہہ کر چلی گئی۔

عظیم صاحب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے سامنے آکر ٹھہر گئے پھر بولے۔ "میں تمہیں بہو بنانے کے خلاف رہا ہوں۔ جانے کیوں تم ہمارے خاندان کے لئے جچتی نہیں تھیں۔ آج تم نے ایک سوکن کے جلاپے میں میرے بیٹے پر اور ہونے والے پوتے پوتی پر کیچڑ اچھال کر اپنے نیچ اور کم ظرف ہونے کا ثبوت دے دیا۔ اب اس سے پہلے کہ میرے بیٹے کی زبان سے طلاق کا لفظ نکلے' یہاں سے چلی جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ خود وہاں سے چلے گئے۔ عشرت سکتے کی حالت میں تھی۔ اس کے دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ ایسی ذلت اٹھانے کے بعد ہوش اڑ جاتے ہیں۔ مگر اسے صحیح معنوں میں ہوش آگیا تھا۔ اس کے دیدے بالکل ساکت تھے جیسے اس کی آنکھیں اور نگاہیں ایک ہی تصویر پر اور ایک ہی عزم پر ٹھہر گئی ہوں اور اس کا عزم کیا تھا۔ وہی جانتی تھی۔ ہارنے والا سپاہی جانتا ہے کہ اسے پھر ایک نئی جنگ کس محاذ سے لڑنی ہوگی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کوٹھی کے باہر آگئی۔ پھر احاطے سے باہر جانے لگی۔ وہ ایک ہی سمت دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں کی پتلیاں بے حرکت تھیں وہ پلکیں جھپکنا بھی بھول گئی تھی۔ احاطے سے باہر جانے کے بعد وہ سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگی پھر چلتی ہی رہی۔ اس کے قریب سے کتنے ہی رکشے ٹیکسیاں گزرتی رہیں۔ مین روڈ کے فٹ پاتھ پر کتنے ہی بس اسٹاپ گزر گئے لیکن وہ کسی گاڑی پر سوار نہیں ہوئی۔ چلتی ہی چلی گئی۔ شاید وہ تھکنا چاہتی تھی اور دماغ کو اس قدر تھکانا چاہتی تھی کہ وہ کچھ سوچنے کے قابل نہ رہے۔

وہ بری طرح تھک جانے کے بعد ایک بجے گھر پہنچی۔ اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر پڑی۔ ماموں ممانی نے خیریت پوچھی۔ کھانے کے لئے کہا۔ مگر اس نے انکار کردیا۔ انہیں کمرے سے جانے کے لئے کہہ دیا۔ بستر پر اِدھر اُدھر کروٹ بدلتی رہی ہر کروٹ پر ماضی کا ایک ایک واقعہ یاد آتا تھا کہ ظفر کتنی دیوانگی سے اس سے محبت کیا کرتا تھا۔ اب وہ دیوانگی فرزانہ کی طرف منتقل ہوگئی تھی کیونکہ وہ ظفر کو ایک بچہ دے رہی ہے۔ بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہی تھی۔

شام کے پانچ بجے وہ بستر پر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو ممانی نے دیکھتے ہی کہا۔ "صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے۔ تم بھوک ہڑتال کرو گی تو ظفر میاں یا فرزانہ کا کیا بگڑ جائے گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "میں کھاؤں گی۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ جلنے کڑھنے اور اپنا خون خشک کرنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔"

اس نے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔ ایک کپ چائے پی لی۔ پھر نیچے ایک دکان میں گئی جہاں ٹیلی فون تھا اور دکان دار ایک روپیہ فی کال کے حساب سے لیتا تھا۔ اس نے ایک روپیہ ادا کرکے نمبر بتائے۔ دکان دار نے وہ نمبر ڈائل کرنے کے بعد عشرت کو ریسیور دے دیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو ڈاکٹر اسلم بول رہا ہوں۔"

وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں بیگم عشرت ظفر بول رہی ہوں۔"

"اوہ اچھا اچھا' بڑی خوشی ہوئی کیسے یاد کیا؟"

"میں بہت بیمار ہوں۔ کیا تم آسکتے ہو؟"

"سر کے بل آؤں گا۔ ابھی کچھ مریض بیٹھے ہیں۔ ایک گھنٹے بعد پہنچ جاؤں گا۔"

عشرت نے ریسیور رکھ دیا وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ اس کے اندر سے گرم آنچ نکل رہی ہے۔ وہ سچ مچ بیمار پڑنے والی ہے دکان سے باہر آکر ٹھنڈے ہوا کے جھونکے لگے تو پتہ چلا کہ وہ پسینے میں نہا رہی تھی۔ وہ عمارت کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے فلیٹ میں گئی ممانی نے تعجب سے پوچھا۔ "ابھی تو تم اچھی بھلی تھیں۔ یہ ایک دم سے پیلی کیوں پڑ گئیں؟"

"کچھ نہیں۔ ذرا نیچے گئی تھی۔ وہاں ایک ننھے سے بچے کو دیکھا۔ یہ بچے بڑے مہنگے ہوتے ہیں۔ مجھ جیسی بدنصیب کو محبت کے ہاتھوں سے نہیں ملتے۔"

ممانی نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "میری بچی بدنصیب نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہر سال تمہاری گود میں بچے ہوا کریں گے۔"

عشرت نے اپنا پرس کھول کر پچاس کا ایک نوٹ نکالا۔ اسے ممانی کو دیتے ہوئے کہا۔ "آپ ماموں جان کے ساتھ ابھی فلم دیکھنے چلی جائیں۔"

"نہیں بیٹے! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے گھر میں رہنا چاہئے۔"

"میں جو کہتی ہوں وہ کریں۔ میں یہاں دو چار گھنٹے بالکل تنہا رہنا چاہتی ہوں۔ آپ بحث نہ کریں۔ چلی جائیں۔"

یہ حکم دے کر وہ اپنے کمرے میں گئی۔ ماموں ممانی حکم کے بندے تھے آدھے گھنٹ
کے اندر فلیٹ سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی عشرت کا دل بری طرح گھبرانے لگا۔ و
ایسی چور تھی جو اپنے ہی گھر میں چوری کرنے کے لئے تنہا رہ گئی تھی۔ حالات کے طمانچوں
نے اسے اوپر سے ڈھیٹ بنا دیا تھا اور اندر سے اس کی شرم اسے مار رہی تھی۔

وہ ڈھٹائی سے خود کو مصروف رکھنے کے لئے صوفوں کی گرد جھاڑنے لگی۔ کھڑکیوں کے پردے درست کئے۔ بستر کی چادر بدل دی۔ پھر اسٹور روم میں گئی۔ وہاں سے ایک بچے کی تصویر کو اٹھایا۔ پھر اپنے بستر کے سامنے والی دیوار پر لگادیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے بچوں کی جتنی تصویریں تھیں وہ دیواروں کی زینت بننے لگیں۔ کمرے کے ماحول میں بچے مسکرانے اور کھیلنے لگے اسے اپنی اپنی طرف بلانے لگے۔ وہ ایک ایک تصویر کے سامنے جاکر غور سے دیکھنے لگی۔ کسی بھی بچے کی صورت سے اس کے باپ کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی۔ لوگ ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اسٹامپ پیپر لکھوا لیتے ہیں۔ اپنی پہچان کے لئے شناختی کارڈ بنوالیتے ہیں لیکن ایک بچے کا شناختی کارڈ صرف اس کی ماں ہوتی ہے کسی اسٹامپ پیپر کے بغیر عورت پر اعتماد کرنا ہی پڑتا ہے۔

عشرت کا چہرہ پھر زرد پڑگیا۔ بستر کے سرہانے رکھی ہوئی ظفر کی تصویر بڑے اعتماد سے مسکرا رہی تھی۔

اسی وقت ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا کہہ رہا تھا۔ ”باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے بند کردیا ہے؟“

اس نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا ماموں ممانی کو کہیں بھیج دیا ہے؟“

”ہاں۔“

”آج ظفر بھی نہیں آئے گا؟“

”آسکتے ہیں؟“

”ایں۔“ وہ پریشان ہوکر بولا۔ ”میں نے باہر کے دروازے کو اندر سے بند کردیا ہے۔ اگر وہ آجائے تو؟“

”تو وہ یہاں اور وہاں پیدا ہونے والے بچے کے باپ کو دیکھ لیں گے۔“

”معلوم ہوتا ہے تم مجھے پھانسنے کے لئے بلا لائی ہو۔ میں دروازہ کھول کر تم سے باتیں کروں گا۔“

وہ فوراً ہی دروازے پر پہنچ گئی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روکتے ہوئے بولی۔ ”رک جاؤ۔ اس کمرے سے جانے کی ضد کروگے تو میں شور مچاؤں گی۔“

”یہ کیا حماقت ہے؟ کیا خود کو بدنام کروگی؟“

”آج میں اتنی بے عزتی اٹھاکر آئی ہوں کہ اس کے بعد بدنامی کا خوف نہیں رہا۔ تم یہاں اپنی عزت کا ماتم کروگے۔“

”تمہارا دماغ چل گیا ہے میں ڈاکٹر ہوں۔ یہاں علاج کے لئے آیا ہوں۔ میں ہزار باتیں بنا سکتا ہوں کہ تم نے اپنی سوکن کو بدنام کرنے کے لئے دانستہ اپنی بدنامی شروع کی ہے۔ عشرت! تمہیں پُرسکون رہنے کی ضرورت ہے۔ اطمینان رکھو میں یہاں سے اسی وقت جاؤں گا جب تم چاہوگی۔“

عشرت کے راستہ روکنے والے ہاتھ ٹوٹی ہوئی شاخوں کی طرح ڈھلک گئے۔ وہ بولا۔ ”تم ایک دماغی مریضہ بن گئی ہو۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کس کا منہ نوچوگی اور کسے بدنام کروگی؟ میں تمہیں پھر سمجھاتا ہوں اس دنیا کا منہ نوچ لو۔ فرزانہ بن جاؤ۔“

”یہی سوچ کر میں نے تمہیں بلایا تھا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی دیکھتی آئی ہوں کہ لوگ ایک دوسرے کو بیمار بناتے رہتے ہیں۔ میرے ماموں ممانی نے مجھے ستائیس برس تک بیمار بناکر رکھا۔ میں نے اس بیماری کا غلط علاج نہیں ڈھونڈا۔ ظفر نے مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی مگر ان کے والدین نے اپنی ضد قائم رکھی اور مجھے سوکن کا روگ لگادیا۔ میں نے اسے بھی برداشت کرلیا۔ فرزانہ ایک بیماری کی طرح مجھ پر مسلط رہی اور میں ظفر کی محبت میں علاج ڈھونڈتی رہی۔ ذرا کھلی نظر سے دیکھو تو یہ پورا معاشرہ بیمار لگتا ہے، جھوٹ، فریب، بے ایمانی اور بے شرمی کی وبا پھیلائی جاتی ہے اور ان کے علاج کے لئے فٹ پاتھ کے مسیحاؤں سے دوائیں لی جاتی ہیں۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ ”مگر کسی کو تو معقول علاج کرانا چاہئے۔ علاج ممکن نہ ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ شرم کرنی چاہئے کیا تم نے ساری عورتوں کو بے شرم سمجھ لیا ہے؟

کیا عورت نارمل نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایسا اسٹامپ پیپر ہوتی ہے جس پر صرف اپنے مرد کے اعتماد کی مہر لگتی ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ پھر کبھی اِدھر کا رخ نہ کرنا۔"

وہ سر جھکا کر جانے لگا۔ عشرت نے اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ "فرزانہ سے کہہ دینا کہ وہ جتنی بار ماں بننا چاہے بنتی رہے لیکن جب تک میں ظفر کے بچے کی ماں نہیں بنوں گی اس کی پارسائی مشکوک رہے گی۔ میری خالی گود ڈاکٹری رپورٹ سے بڑھ کر ہے۔ ظفر کو کبھی تو عقل آئے گی۔"

وہ دروازہ کھول کر چلا گیا۔ عشرت نے زور دار آواز کے ساتھ دروازے کو بند کرلیا۔

☆======ختم شد======☆